إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورۃ فاطر۲۸)

"بے شک اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں"

اَسرارُ الدقائق

بجواب کشفُ الحقائق

ناشر: ادارۂ حیدریہ

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورۃ فاطر ۲۸)

"بے شک اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں"

اَسرارُ الدقائق

بجواب کشفُ الحقائق

ناشر: ادارۂ حیدریہؑ

کیاایک عام کم علم آدمی کے اعمال بغیر

تقلید

کے باطل ہیں؟

باقر نثار زیدی صاحب کی کتاب

"کشف الحقائق"

کا مختصر تجزیہ

فہرستِ مضامین

باب 1: پاکستان اور انڈیا میں شیعہ عوام کی صورتحال

حال ہی میں پاکستان اور انڈیا میں لوگوں کا ایک گروہ نمودار ہوا ہے جوکہ "تقلید کے مسئلہ پر بہت زیادہ تنقید کر رہے ہیں۔ اسی طرح تقلید سے منسلک دوسری چیزوں کو بھی یہ اپنے حملوں کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ مثلاً:

اجتہاد: ان کا کہنا ہے کہ یہ علماء کرام کی طرف سے شیعہ مذہب میں ایک بدعت (ایک نئی چیز کا اپنی طرف سے اضافہ) ہے اور اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

علماء کرام کی بے عزتی کرنا: مزید براں ان کا کہنا ہے کہ یہ تمام شیعہ سکالرز، جوکہ اپنے آپ کو "عالم" کہلواتے ہیں، یہ سب "علماء سو" ہیں اور کائنات کے بدترین لوگوں میں سے ہیں۔

خمس: ان کا دعویٰ ہے کہ مولا علی (ع) نے اپنے شیعوں کو خمس سے چھوٹ دے دی تھی۔ اور یہ مراجع کرام نے خمس کے نام پر دین میں بدعت جاری کی ہوئی ہے تاکہ عام شیعوں کا مال کو لوٹ سکیں۔

اس مختصر کتابچے کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم مومنین کو "تقلید" کی اسلامی حیثیت سے روشناس کرا سکیں کہ آپ کے اعمال کی مقبولیت کے لیے تقلید کتنی اہم ہے۔ انشاء اللہ، یہ ہماری کوشش ہوگی کہ اس کتابچے کو اتنی آسان زبان میں لکھیں کہ ہمارے سکول اور کالجز کے طلبا بھی آسانی سے اس کو سمجھ سکیں۔

اخباری شیعہ مکتبِ فکر کا تعارف؟

محترم مومنین! آج سے کچھ چار سو سال قبل (سترھویں صدی) میں عراق میں شیعوں کا ایک مکتبِ فکر پیدا ہوا تھا، جوکہ اپنے آپ کو اخباری کہلاتا تھا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ:

قران میں (نعوذ باللہ) تحریف ہوگئی ہے، لہٰذا ہم صرف احادیثِ معصوم (ع) سے اسلام احکامات اخذ کر سکتے ہیں۔ مزید براں، ان کا کہنا تھا کہ آئمہِ معصومین (ع) کی تمام احادیث صحیح ہیں، خاص طور پر وہ، جوکہ 4 معتبر کتب میں پائی جاتی ہیں (حدیث کی یہ 4 کتابیں، کتبِ اربعہ کے نام سے جانی جاتی ہیں)

ان لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ کسی مجتہد کی تقلید ہو سکتی اور نہ ہی کسی مفتی کا فتویٰ قبول ہو سکتا ہے۔ بلکہ اسلامی احکامات جاننے کے لیے تمام عام عوام کو ڈاریکٹ احادیثِ معصومین (ع) پڑھنی چاھیے اور خود ان سے فقہی مسائل کا حل معلوم کرنا چاھیے۔

مگر اس وقت کے علماء نے (جوکہ اصولی علماء کے نام سے جانے جاتے ہیں) اس اخباری مکتبِ فکر کا بھرپور طریقے سے جواب دیا اور انہی کوششوں کے نتیجے میں، بہت جلد یہ مکتبِ فکر ختم ہوگیا یا اس کے ماننے والوں کی تعداد عراق اور ایران میں نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ لیکن اس صدی میں یہ اخباری گروہ پھر سے انڈیا اور پاکستان میں سر اٹھا رہا ہے اور اپنی تعلیمات پھیلا رہا ہے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے عقائد پھیلانے کے لیے "اخباریت" کی اصطلاح بھی استعمال نہیں کر رہے ہیں، اس لیے عام عوام ان کے وجود سے بہت حد تک بے خبر ہے۔

آیئے، اخباری حضرات کو یہیں رہنے دیں اور اب پاکستان اور انڈیا کے "ملنگ" طبقے کے اوپر تھوڑی گفتگو کرتے ہیں۔

پاکستانی ملنگ طبقے کا تعارف

پاکستان میں آپ کو بہت سے شیعہ مومنین ملیں گے جوکہ اپنے آپ کو مولا علی (ع) کا ملنگ کہتے ہیں۔ ملنگ کا لفظی مطلب ہے کہ ایسا شخص جوکہ اہلِ بیت کی محبت میں "دیوانہ" ہو۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تمام شیعہ ملنگ ہیں کیونکہ وہ سب اہلِ بیت سے محبت کرتے ہیں۔ مگر ملنگ کی یہ اصطلاح (Term) اصل میں اہلسنت سے آئی ہے، کیونکہ وہ لوگ بھی اہلبیت سے بہت محبت رکھتے ہیں۔

ہمارے ان پاکستانی شیعہ ملنگ مومنین میں بدقسمتی سے ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے، جوکہ واقعی دیوانہ ہوگیا ہے اور نماز اور دیگر اعمال کا منکر ہے اور صرف "علی علی" کرنے کو آخرت میں فلاح پا جانے کے لیے کافی جانتا ہے۔ انہوں نے یہ عقائد سنی صوفیاء اور قلندروں سے لیے ہیں جوکہ دنیا کو چھوڑ کر صرف "علی علی" کرنے کو کافی جانتے تھے (مثلاً ان میں قلندروں کی ایسی کہانیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ جو نماز اور روزہ کو بھول کر، ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر صرف علی علی کرتے رہتے تھے۔۔۔۔۔)

بہرحال، اس ملنگ طبقے میں عقائد کی اس بیماری کی سب سے بڑی وجہ ان میں علم کی کمی ہے اور ان میں جہالت کا بہت زیادہ پایا جانا ہے۔ اسی جہالت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، اخباری حضرات نے اس ملنگ طبقے کو علماء اور مجتہدین کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ ملنگ طبقے ایسے ہی علماء سے ناراض تھے کہ وہ کیوں شریعت پر اتنا زور دیتے ہیں۔ لیکن جب سے آغا خامنہ ای نے زنجیر زنی کے خلاف فتویٰ دیا ہے، اس وقت سے خاص طور پر یہ ملنگ طبقہ مجتہدین کے خلاف ہوگیا تھا۔ مگر اس ملنگ طبقے کے پاس علم کی کمی تھی اور علمی محاذ پر وہ مجتہدین کے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکتا تھا۔

اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، کچھ لوگوں نے پھر سے اخباری عقائد کو زندہ کرنے کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں۔ اور چونکہ یہ عقائد اصولی علماء کے عقائد کی ضد اور بالکل خلاف ہیں، اس لیے یہ ملنگ طبقے بہت تیزی کے ساتھ یہ اخباری عقائد اپناتے جا رہے ہیں۔

(بہرحال ملنگوں میں ایسے باعلم حضرات بھی ہیں جو کہ شریعت میں اعمال کی اہمیت سے واقف ہیں، جو باقاعدگی سے نمازیں ادا کرتے ہیں اور دیگر شرعی اعمال بجا لاتے ہیں۔ آگے اس کتابچے میں جب ہم ملنگ کا ذکر کریں گے، تو ہماری مراد منکرِ نماز ملنگ طبقہ ہو گا)۔

باقر نثار زیدی صاحب اور ان کی کتاب "کشف الحقائق" کا تعارف

پاکستان میں ملنگ طبقوں میں یہ "تقلید اور علماء مخالف" اخباری عقائد پھیلانے میں سب سے بڑا نام باقر نثار زیدی صاحب کا ہے۔ اگرچہ کہ یہ اخباریت کا نام نہیں لیتے ہیں، لیکن ان کی کتابیں پڑھنے کے بعد فوراً پتا چل جاتا ہے کہ انہوں نے یہ عقائد کہاں سے لیے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب "کشف الحقائق" کے نام سے لکھی ہے، جو کہ تقلید اور اجتہاد اور علماء و مجتہدین کے سخت خلاف ہے اور اسی لیے ملنگ طبقے میں بہت پذیرائی حاصل کر رہی ہے۔

تقلید اور اجتہاد کے علاوہ بھی باقر صاحب نے ہر وہ عقائد پھیلانے کی کوشش کی ہے جو کہ علماء کے خلاف جاتے ہوں اور منکرِ نماز ملنگ طبقے کی خوشنودی کا باعث بن سکتے ہوں۔ مثلاً اصولی علماء جو نماز پر اتنا زور دیتے ہیں، تو باقر صاحب کے مطابق یہ صرف دکھاوا ہے۔ اور آخرت میں فلاح پانے کے لیے صرف علی علی اور ذکر حسین کرنا کافی ہے اور اس بنا پر تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔

ہم آگے چل کر باقر صاحب کی اس کتاب سے تقلید اور اجتہاد کے خلاف دیے گئے دلائل نقل کریں گے اور ان کا جواب دیں گے تاکہ ہماری نئی نسلیں حق کو سمجھ سکیں اور اسے باطل سے الگ کر سکیں۔

تو آئیے اللہ کے نام سے ہم اس نیک کام کا آغاز کرتے ہیں۔

اللھم صلی اللہ محمد وآل محمد۔

باب 2 - کیاایک عام کم علم آدمی کے اعمال بغیر تقلید کے باطل ہیں؟

اصولی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک عام شخص کو یا توکسی مرجع کی تقلید کرنی ہوگی یا پھر اپنے آپ میں یہ اہلیت پیدا کرنی ہوگی کہ قران وسنت سے خود درست احکامات اخذ کرے۔

اور ایک عام شخص، جس میں یہ اہلیت موجود نہیں، مگر پھر بھی وہ صرف اپنے ہی اخذ کردہ احکامات (قیاس) پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو اس کے اعمال باطل ہیں (کیونکہ اس کے اخذ کردہ احکامات سوائے قیاس کے کچھ نہ ہوں گے)۔ اور یہ وہ معیار ہے جو کہ ائمہ معصومین (ع) نے طے کر دیا ہے۔

باقر نثار زیدی صاحب / اخباری حضرات کے نظریات

بدقسمتی سے باقر نثار زیدی صاحب اور ان کے حامی حضرات نے ائمہ معصومین (ع) کے فرامین کا صرف ایک حصہ لے لیا ہے، جبکہ دوسرے حصے کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ یہ ان کے عقائد / نظریات / خواہشات کے خلاف ہے۔

باقر صاحب اپنی کتاب میں دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی بھی عام شیعہ مسلم کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اسلامی احکامات جاننے کے لیے، معصوم (ع) کی کوئی بھی حدیث لے لے۔ اور ثبوت کے طور پر وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

> الکافی، کتاب العقل، باب 22، حدیث 7
>
> ایک شخص نے امامِ زمانہ (ع) سے پوچھا: میں اس صورت میں کیا کروں کہ اگر مجھے اپنے دو دینی بھائیوں سے (ایک ہی ملاقات کے متعلق) دو مختلف احادیث ملیں؟ امامِ زمانہ (ع) اپنی توقیع (خط) میں جواب تحریر فرماتے ہیں کہ: "ان میں سے کسی ایک حدیث پر عمل کرو، اور اس نیت کے ساتھ عمل کرو کہ یہ ایک ایسے امام (ع) کا قول ہے جس کی اطاعت فرض ہے۔ اور اس نیت سے عمل نہ کرو کہ کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔"

لیکن ایک اور جگہ پر باقر صاحب اسلامی احکامات کو اخذ کرنے کا ایک اور طریقہ بیان کر رہے ہیں (دیکھئیے کشف الحقائق، صفحہ 56) کہ صرف وہ احادیث لی جائیں جو کہ قران سے مطابقت رکھتی ہوں۔

الکافی، کتاب 199، باب 22، حدیث 3

ایوب ابن حر کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ (ع) نے فرمایا کہ ہر چیز کو قران اور رسول (ص) کی احادیث کی روشنی میں پرکھا جائے، اور اگر کوئی روایت قران کے مطابق نہ ہو تو وہ ایک بیکار بیان کے سوا کچھ نہیں۔"

اسی صفحہ پر آگے چل کر باقر صاحب لکھتے ہیں کہ صرف یہ وہ 2 معیار تھے جو کہ ائمہ معصومین (ع) نے بیان کیے تھے اور ابتدائی زمانہ کے شیعہ صرف اسی پر عمل پیرا ہوتے تھے اگر انہیں کوئی اسلامی فقہی حکم معلوم کرنا ہوتا تھا۔

[ان 2 روایات کو پیش کر کے باقر صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عوام کو فقہی مسئلہ معلوم کرنے کے لیے کسی مرجع کی تقلید نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ڈائریکٹ قران و سنتِ نبوی (ص) سے اسلامی حکم معلوم کر لینا چاہیے۔ اور علماء / مراجع کرام جو علمِ فقہ و علمِ رجال و علمِ اصول وغیرہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں، وہ سب اِن کی بنائی ہوئی اپنی بدعتیں ہیں تاکہ دین کو اتنا مشکل کر دیا جائے کہ ایک عام شخص خود سے اسلامی احکامات اخذ کرنے کا سوچ بھی نہ سکے اور علماء کا دستِ نگر بن کر رہ جائے۔ آگے باقر صاحب الزام لگاتے ہیں کہ یہ بدعات جاری کر کے علماء حضرات نے دین پر اجارہ قائم کر رکھا ہے اور لوگوں کو دین کے ملاں میں اپنا غلام بنا رکھا ہے]

آیئے اب باقر زیدی صاحب / اخباری حضرات کے ان نظریات / الزامات کا ذرا باریک بینی سے تجزیہ کرتے ہیں کہ آیا واقعی معصومین (ع) نے اسلامی احکامات اخذ کرنے کے متعلق صرف یہی 2 روایات فرمائی ہیں اور کیا واقعی دوسرے علوم جیسے علمِ رجال و علمِ اصول و فقہ علماء کی اپنی طرف سے جاری کردہ بدعات ہیں؟

کیا ہر عام شخص میں یہ اہلیت ہے کہ وہ احادیث کو قران کی روشنی میں پرکھ سکے؟

پاکستان / انڈیا (جہاں ہمارے یہ مومنین اخباریت کے یہ عقائد پھیلا رہے ہیں) کی 75٪ (پچھتر فیصد) عوام پڑھنے لکھنے سے معذور ہے اور انہوں نے کبھی قران نہیں پڑھا۔ اور جو تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا جانتے ہیں اِن میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ جنہوں نے پورا قران نہیں پڑھا۔ شاید 10٪ ہی ایسے لوگ ہوں کہ جنہوں نے مکمل طور پر ایک دفعہ قران پڑھا ہو۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد 1 فیصد سے زائد نہ ہوگی کہ جنہوں نے قران کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی مکمل طور پر پڑھا ہوگا۔ اور اگر ایسے لوگوں کی تعداد دیکھیں کہ جنہوں نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ "تفسیر آلِ محمد" بھی مکمل پڑھی ہو، تو ان کی تعداد یقیناً آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

تو ایسے میں ان لوگوں کی تعداد، کہ جنہوں نے قران کو اسقدر گہرائی کے ساتھ سمجھ کر عبور حاصل کیا ہے کہ اس سے اسلامی فقہی مسائل اخذ کر سکیں، تو ایسے لوگوں کی تعداد ہزار میں ایک سے بھی کم ہے۔

اور ان پاکستانی شیعہ مومنین کی تعداد کہ جو عربی زبان کو سمجھ سکتے ہیں، اگر اس کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو ان کی تعداد میں اور بھی نمایاں کمی واقع ہو جائے گی۔

اور پاکستان اور انڈیا کے وہ ملنگ طبقے، جو کہ باقر صاحب / اخباری نظریات کی حمایت کر رہے ہیں، اور مجتہد کی تقلید کو برا بھلا کہہ رہے ہیں، اور اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہر عام شخص کو اسلامی احکامات اخذ کرنے کا اختیار دے دیا جائے، تو یہ دیکھ لیا جائے کہ ان ملنگ مومنین کے طبقہ کا اوسطاً تعلیمی معیار دوسروں کی نسبت اور بھی کہیں زیادہ پست ہے۔

پہلا مرحلہ:

اگر ہمارے یہ ملنگ مومنین اگر اپنے اعمال کو مقبول بنانا چاہتے ہیں تو ان کو پہلے مرحلہ میں یہ بات یقینی بنانا ہوگی کہ انہوں نے تمام احادیث کو قران کی روشنی میں پرکھ لیا ہے، ورنہ ان کے اعمال باطل ہیں (کیونکہ وہ قیاس کی بنیاد پر کیے گئے ہیں)۔

دوسرا اور تیسرا مرحلہ: باقر صاحب / اخباری حضرات بمقابلہ علمِ الرجال

اسلامی احکامات اخذ کرنے کے لیے معیار مقرر کرتے ہوئے باقر صاحب ہمیشہ ان احادیث کو نظر انداز کرتے رہے جو کہ ان کی خواہشات اور قیاس کے مخالف تھیں۔

علم الرجال وہ علم ہے کہ جس میں ہم معصومین (ع) کی احادیث بیان کرنے والے راویوں کے متعلق جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا وہ فاسق و فاجر و کاذب تھے یا کہ ثقہ و قابلِ اعتماد و دیانت دار کہ ان پر اعتماد کیا جا سکے کہ انہوں نے معصومین کی احادیث سچائی کے ساتھ ہم تک پہنچا دی ہیں یا کہ وہ معصومین (ع) پر جھوٹ باندھ رہے ہیں۔

[بلکہ باقر صاحب کا دعویٰ ہے کہ علمِ الرجال دین میں ایک بدعت ہے، جو کہ شیعوں نے اہلِسنت سے لی ہے۔]

الکافی، باب 198، کتاب 22، حدیث 2:

عبد اللہ ابن یعفور کہتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ (ع) سے پوچھا کہ آپ (ع) ان احادیث کے متعلق کیا فرماتے ہیں جن میں سے کچھ تو آپ (ع) کے قابلِ اعتماد ساتھیوں سے ہم تک پہنچی ہوں اور کچھ احادیث ایسی ہیں جو کہ ہم تک ایسے لوگوں کے ذریعے پہنچی ہیں جو کہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔

امام (ع) نے جواب دیا: "اگر تمہارے سامنے ایسی حدیث پیش کی جائے کہ جس کا ثبوت تمہیں قران اور رسول (ص) کی احادیث میں ملتا ہو، تو ان کو قبول کر لو۔ دوسری صورت میں ان احادیث پر عمل کرو جو کہ تم تک قابلِ اعتماد راویوں کے ذریعے سے پہنچی ہوں۔"

برادرانِ گرامی! آپ نے دیکھا کہ معصوم (ع) خود حدیث کے راویان میں فرق کر رہے ہیں اور ان میں سے کچھ کو قابلِ اعتماد کہہ رہے ہیں اور کچھ کو غیر قابلِ اعتماد۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ راویوں کی چھان بین کرنا اصولی علماء کی اپنی بنائی ہوئی بدعت ہے جس کا معصوم (ع) نے کوئی حکم نہیں دیا تھا؟

دوسرا اس حدیث سے یہ اصول بھی واضح ہوتا ہے کہ ہر حدیث کو آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کر سکتے، بلکہ انہیں قبول کرنے سے پہلے ہمیں مزید ان 2 مراحل سے گذرنا پڑے گا:

مرحلہ نمبر 2:

ایک حدیث کو قبول کرنے سے پہلے، نہ صرف ہمیں اسے قران کی روشنی میں چیک کرنا ہو گا، بلکہ دیگر تمام احادیث کی روشنی میں بھی چیک کرنا ہو گا، کہ آیا یہ روایت ان دوسری احادیث کے مطابق ہے یا پھر ان کے مخالف ہے۔ اور جب تک ہمارے یہ تقلید مخالف ملنگ مومنین (جن میں یہ اہلیت ہی نہیں ہے) یہ کام نہیں کر لیتے، ان کے اعمال باطل ہیں (کیونکہ ان کے یہ اعمال صرف ان کے قیاس اور ظن پر مبنی ہیں)۔

مرحلہ نمبر 3:

اور کچھ صورتوں میں ہمارے سامنے ایسی احادیث آجاتی ہیں جو کہ ایک دوسرے سے متضاد ہوتی ہیں، اور ہمیں ان کا کوئی حکم قران اور دیگر متواتر احادیث میں بھی نہیں ملتا۔ اس صورت میں معصوم (ع) نے ہمیں ان احادیث کے راویوں کے بارے میں جانچنے کا حکم دیا ہے کہ ہم ان احادیث کو فوقیت دیں جو کہ قابلِ اعتماد لوگوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں ان روایات کو ترک کر دیں کہ جن کے راوی حضرات ناقابلِ اعتماد ہیں۔

پس جبتک ہمارے یہ تقلید مخالف مومنین اس تیسرے مرحلے سے بھی نہیں گذر جاتے، اس وقت تک ان کے اعمال باطل ہیں۔

مرحلہ نمبر 4: عمر ابن حنظلہ کی حدیث

چوتھے مرحلے میں، ہر عام شیعہ کو عمر ابن حنظلہ کی اس حدیث پر عمل کرنا پڑے گا تاکہ اس کے اعمال مقبول ہو سکیں۔ (اس حدیث میں کئی ذیلی مراحل بھی آئیں گے)

الکافی، کتاب 196، باب 21، حدیث 9

مرحلہ نمبر 4:1 راوی کہتا ہے کہ اس نے امام ابو عبداللہ سے پوچھا: اگر ہمیں کسی مسئلہ پر ایک حدیث پہلے آنے والے ائمہ (ع) سے پہنچے، اور اسی مسئلہ پر دوسری حدیث بعد میں تشریف لانے والے معوم (ع) سے ملے تو ہم ان میں سے کس حدیث پر عمل کریں۔ امام (ع) نے جواب دیا: "پہلی حدیث پر اس وقت تک عمل کرو جبتک کہ تم کو زندہ امام (ع) سے نئی حدیث نہ مل جائے۔ اور جب تمہیں زندہ امام سے یہ نئی حدیث مل جائے تو پھر اس نئی حدیث پر عمل کرو۔"

پھر امام (ع) آگے فرماتے ہیں: "باخدا، ہم تو تمہارے لیے صرف وہ ہی چاہتے ہیں جو کہ تمہارے لیے آسان ہے"۔۔۔۔

مرحلہ نمبر 4:2۔۔۔ راوی کہتا ہے کہ اس صورت میں ہم کیا کریں۔

امام (ع) نے جواب دیا: "تمہیں چاہیے کہ تم اپنے میں سے ایسے شخص کو تلاش کرو کہ جو ہماری احادیث کو روایت کرتا ہو اور جس نے اس چیز کا مطالعہ کیا ہو کہ ہماری تعلیمات میں کیا چیزیں حلال ہیں اور کون سی چیزیں حرام، اور جس نے ہمارے دیے گئے قوانین کا (گہرائی کے ساتھ) مطالعہ کیا ہو۔ تو ان دونوں گروہوں کو چاھیے کہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس مسئلہ میں وہ اس شخص کے فیصلہ کو مان لیں گے، کیونکہ میں اس شخص کو تم پر قاضی مقرر کرتا ہوں۔ اور جب وہ شخص ہمارے احکامات کے مطابق فیصلہ سناتا ہے، مگر اس کے فیصلے کو قبول نہیں کیا جاتا، تو یہ اللہ کے احکامات کو نظر انداز کرنا ہے اور ہمارا انکار کرنے کے برابر ہے۔ اور ہمارا انکار کرنا اللہ کا انکار کرنا ہے اور یہ شرک کے برابر کی سطح کا گناہ ہے۔

مرحلہ 4:3 راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: "اگر یہ دونوں اختلافی گروہ میں سے ہر ایک ہمارے درمیان میں سے ایسے شخص (جس میں یہ صلاحیتیں موجود ہوں) کا انتخاب کریں اور اس پر راضی ہوں کہ ان کا فیصلہ

مانیں گے، لیکن یہ دونوں اشخاص دو مختلف فیصلے سنائیں اور ان کے درمیان آپ کی حدیث کے متعلق اختلاف ہو، تو اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

امام (ع) نے جواب دیا: "اس شخص کا فیصلہ مانا جائے جو کہ زیادہ عادل ہو، جس میں قوانین اور فقہ سمجھنے کی زیادہ صلاحیت موجود ہو، اور جو حدیث کے ملات میں زیادہ سچا ہو اور جو کہ تقویٰ میں زیادہ ہو۔ اور اس صورت میں دوسرے شخص کے فیصلہ کو ترک کر دیا جائے۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے امام سے مزید دریافت کیا: "اگر یہ دونوں افراد یکساں عادل ہوں اور لوگوں میں یکساں قابلِ اعتماد مانے جاتے ہوں، اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہ ہو، تو اس صورت میں ہم کیا کریں؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اس صورت میں اس حدیث کو دیکھا جائے گا جو کہ وہ دونوں ہم سے روایت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون سی حدیث تم لوگوں میں زیادہ مقبول ہے۔ اس صورت میں اس زیادہ مقبول حدیث کو مان لیا جائے اور دوسری حدیث کو ترک کر دیا جائے کیونکہ زیادہ مشہور حدیث کے صحیح ہونے میں شکوک کم پائے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

مرحلہ 4:5 راوی کہتا ہے کہ میں نے امام (ع) سے مزید پوچھا: "اگر دونوں احادیث ہی لوگوں میں یکساں مقبول ہوں اور ایسے لوگوں سے ہم تک پہنچی ہوں جو کہ یکساں قابلِ اعتماد ہوں، تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اس صورت میں یہ دیکھا جائے کہ ان میں سے کون قران اور سنت کے مطابق ہے اور آیا کہ یہ ان قوانین کے مطابق تو نہیں جو کہ ہمارے مخالفین کے ہیں۔ اس صورت میں اسے قبول کر لیا جائے جو کہ قران و سنت کے قوانین کے مطابق ہے اور اس کو رد کر دیا جائے جو کہ عامہ کے اصولوں سے مطابقت رکھتا ہو۔

مرحلہ 4:6 راوی کہتا ہے کہ اس نے امام (ع) سے مزید دریافت کیا: "۔۔۔اگر دونوں فقیہہ علماء نے یہ اصول اور فیصلے کتاب اللہ اور سنتِ نبی (ص) سے اخذ کیے ہوں اور ان میں سے ایک عامہ سے مطابقت

رکھتی ہو اور دوسری عامہ کے خلاف ہو، تو اس صورت میں کس کی پیروی کی جائے؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اس کی پیروی کی جائے جو کہ عامہ کے خلاف ہو، کیونکہ اس میں ہی ہدایت ہے۔"

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام (ع) سے مزید دریافت کیا: "اگر دونوں احادیث ہی عامہ میں مقبول ہوں تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اس صورت میں یہ دیکھا جائے کہ کون سی حدیث حکمرانوں میں زیادہ مقبول ہے۔ اور اس کو ترک کر دیا جائے اور دوسری حدیث پر عمل کیا جائے۔"

مرحلہ 4:8 راوی کہتا ہے کہ میں نے امام (ع) سے مزید پوچھا: "اگر دونوں احادیث ہی حکمرانوں میں مقبول ہوں تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اگر ایسی صورتحال پیش آئے تو ان چیزوں کو اس وقت تک کے لیے ملتوی کر دو جبتک کہ تم اپنے امام (ع) سے مل نہ لو۔ مشکوک چیزوں سے پرہیز برتنا تباہی میں پڑنے سے بہتر ہے۔

نوٹ: آگے آپ دیکھیں گے کہ باقر صاحب ان مشکوک چیزوں والی صورتوں کو اصولی علماء کے خلاف استعمال کریں گے۔ مختصراً ان کا کہنا ہے کہ مجتہدین کے فتوؤں میں اختلاف ہے، اس لیے یہ مشکوک ہیں اور اس صورت میں ان کو ترک کر دینا چاھیے، مگر یہ مجتہدین ان اختلافی فتوؤں پر عمل کروا کر اپنے مقلدین کو تباہی میں ڈال رہے ہیں۔

تو مختصراً جواب عرض ہے کہ اختلاف ہونے میں اور مشکوک ہونے میں فرق ہے۔ اوپر دی گئی حدیث میں اختلاف شروع سے ہی موجود ہے، جبکہ معصوم (ع) اس اختلاف کو حل کرنے کا طریقہ بتا رہے ہیں کہ اختلاف کی صورت میں زیادہ علم رکھنے والے عالم اور فقیہہ کی پیروی کی جائے۔۔۔۔ اور یہ اختلافی مسئلہ بالکل آخر میں جا کر اس وقت مشکوک بنا، جبکہ دونوں احادیث عامہ کے حکمرانوں میں مقبول پائی گئیں۔

لہذا باقر صاحب کا مجتہدین کے ہر اختلافی فتوے کو مشکوک بنا دینا صرف عام شیعہ عوام گمراہ کرنا ہے۔

مرحلہ نمبر 5 مولا علی (ع) کے خطبے پر عمل کرنا، جوکہ نہج البلاغہ میں سلیم ابن قیس ہلالی سے مروی ہے

آیئے دیکھتے ہیں کہ مولا علی (ع) اپنے خطبے میں کیا فرمارہے ہیں:

ایک شخص نے آپ سے من گھڑت اور متعارض احادیث کے متعلق دریافت کیا جوکہ عام طور پر لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص،، واضح اور مبہم، صحیح اور غلط، سب ہی کچھ ہے۔ خود رسول (ص) کے دور میں آپ (ص) پر بہتان لگائے گئے۔ یہاں تک کہ آپ (ص) کو اٹھ کر کہنا پڑا کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر بہتان باندھے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ تمہارے پاس 4 طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا کوئی پانچواں نہیں ہے۔ ایک تو وہ جس کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور۔ وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں جیسی وضع قطع بنا لیتا ہے۔ نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر رسول (ص) پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اگر لوگوں کو پتا چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو وہ اس سے کوئی حدیث قبول نہ کرتے اور نہ اس کی تصدیق کرتے۔ لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول (ص) کا صحابی ہے۔ اس نے رسول (ص) کو دیکھا بھی ہے اور ان سے حدیثیں سنی بھی ہیں۔ اور آپ (ص) سے تحصیلِ علم بھی کیا ہے۔ چنانچہ وہ بغیر سوچے سمجھے اس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے تم کو منافقوں کی خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی تم کو آگاہ کر رکھا ہے۔ پھر وہ رسول (ص) کے بعد بھی برقرار رہے اور کذب و بہتان کے ذریعے گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کا بلاوا دینے والوں کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے انکو (اچھے اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا اور ان کے ذریعے سے اچھی طرح دنیا کو گلے سے اتارا۔ اور لوگوں کا تو یہ قاعدہ ہی ہے کہ وہ بادشاہوں اور دنیا والوں کا ساتھ دیا کرتے ہیں، سوائے ان محدود لوگوں کے (کہ جن کو اللہ نے اپنی حفظ و امان میں لے رکھا ہے)۔

چار میں سے ایک تو یہ ہوا، اور دوسرا وہ شخص ہے کہ جس نے تھوڑا بہت تو رسول (ص) سے سن رکھا ہو، لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھ سکا اور اس میں اسے سہو ہوگیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا۔ یہی کچھ اس کی دسترس میں ہے اور اسے یہ دوسروں سے بیان کرتا ہے۔ اور اس پر خود بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی

یہی ہے کہ میں نے رسول (ص) سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو اس کی خبر ہو جاتی کہ اس کی یاداشت میں بھول چوک ہو گئی ہے تو وہ اس کی بات کبھی نہ مانتے۔ بلکہ اگر اسے خود بھی اس کا علم ہو جاتا تو وہ اسے چھوڑ دیتا۔

تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول (ص) سے سنا کہ آپ (ص) نے کسی چیز کے بجا لانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن بعد میں رسول (ص) نے اس سے روک دیا، لیکن یہ اسے معلوم نہ ہو سکا۔ یا یوں کہ اس نے رسول (ص) کو کسی چیز سے منع کرتے ہوئے سنا، پھر آپ (ص) نے اس کی اجازت دے دی، لیکن یہ چیز اس کے علم میں نہیں آسکی۔ یعنی اس نے (قول) منسوخ کو یاد رکھا اور (حدیثِ) ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر اسے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں کو بھی اس کے منسوخ ہونے کی خبر مل جاتی تو وہ بھی اسے چھوڑ دیتے۔

چوتھا وہ شخص ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول (ص) پر جھوٹ نہیں باندھتا ہے۔ وہ خوفِ خدا اور عظمت رسول (ص) کے پیشِ نظر کذب سے نفرت کرتا ہے۔ اس کی یاداشت میں غلطی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ جس طرح سنا، اسی طرح یاد رکھا اور اسی طرح آگے بیان کیا۔ اس میں کچھ بڑھایا نہ کچھ گھٹایا۔ حدیثِ ناسخ کو یاد رکھا، تو اس پر عمل بھی کیا۔ حدیثِ منسوخ کو بھی نظر میں رکھا اور اس سے اجتناب برتا۔ وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے، جس کا دائرہ محدود ہے، اور اس حدیث کو بھی جانتا ہے جو کہ ہمہ گیر ہے اور سب کو شامل ہے۔ اور وہ ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے۔ اور یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے۔

کبھی رسول (ص) کا کلام دوزخ کے لیے ہوتا تھا، کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ اور کچھ جو تمام وقت اور تمام افراد کے لیے ہوتا تھا۔ اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے جو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لیا ہے اور رسول (ص) کا اس کے بیان کرنے کا مقصد کیا ہے۔ تو یہ سننے والے اسے سن تو لیا کرتے تھے، اور کچھ اس کا مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے، لیکن اس کے حقیقی معنی اور مقصد اور وجہ سے ناواقف ہوتے تھے۔ اور نہ اصحابِ پیغمبر میں سب ایسے تھے کہ جنہیں سوال کرنے کی ہمت ہو، بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آجائے اور وہ کچھ پوچھے تو یہ بھی سن لیں۔ مگر میرے سامنے کوئی چیز ایسی نہ گذرتی تھی کہ مگر میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد بھی رکھتا تھا۔ یہ

ہیں لوگوں کے احادیث وروایات میں اختلاف کی وجوہات اور اسباب۔

(اردو میں مفتی جعفر حسین صاحب نے نہج البلاغہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں اس خطبے کا نمبر 208 ہے)

کیا اصولی علماء نے اصولِ فقہ سنی المذہب امام شافعی سے لیے ہیں؟

اوپر بیان کیے گئے تمام مراحل کو عام طور پر "اصولِ فقہ" کہا جاتا ہے۔

باقر صاحب نے اپنی کتاب "کشف الحقائق" کے صفحہ 29 پر اصولی علماء پر زبردست اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے "اصولِ فقہ" کے نام پر خود سے دین میں ایک بدعت جاری کر دی ہے اور یہ بدعت اصل میں انہوں نے سنی شخص امام شافعی سے لی ہے۔ اور یہ کہ اصولِ فقہ کا صحیح اسلامی احکامات اخذ کرنے میں کوئی استعمال نہیں ہے اور اسے صرف اس لیے گھڑا گیا ہے تاکہ عام عوام خود سے اسلامی احکامات اخذ کرنے کی ہمت نہ کر سکے اور ہمیشہ علماء کی محکوم بنی رہے۔

اگر باقر صاحب کا یہ دعویٰ درست ہے تو وہ مولا علی (ع) کے اس خطبہ کے متعلق کیا کہیں گے، جو کہ فقہ کے ان اصولوں سے بھرا ہوا ہے؟ جیسے کہ:

کسی بھی روایت کو قران اور احادیث کی روشنی میں پرکھنا کہ آیا یہ روایت ان کے خلاف ہے یا مطابق۔

علم الرجال: یہ دیکھنا کہ آیا روایت کرنے والا شخص قابلِ اعتماد ہے کہ نہیں، یا یہ کہ شیعہ ہے یا نہیں، یا یہ کہ اس کی یاداشت اچھی تھی کہ نہیں۔۔۔۔۔

مختصراً یہ خطبہ پڑھنے کے بعد ہر کوئی جان سکتا ہے کہ اصولِ فقہ اور علم الرجال کا اسلامی شریعت میں کیا درجہ ہے، اور کیا واقعی باقر صاحب کے دعویٰ کے مطابق اسے بدعت قرار دے دینا چاہیئے کہ نہیں۔

یہ کیسے جانا جائے کہ کوئی راوی قابلِ اعتماد ہے کہ نہیں؟

آپ دیکھیں گے کہ یہ اخباری ملنگ حضرات اکثر یہ اعتراض اٹھائیں گے کہ کیا آپ کے پاس علمِ غیب ہے کسی بھی راوی پر آپ ضعیف، یا ناقابلِ اعتماد ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں؟

تو جناب، علم الرجال کی بنیاد رکھی ہی اس لیے گئی ہے کہ اس بات کا تعین کیا جا سکے اور اس سلسلے میں ان تمام شیعوں کی گواہی کافی مانی جاتی ہے جو کہ اس راوی کو ذاتی طور پر جانتے ہیں کہ آیا وہ شیعہ تھا یا ناصبی۔ اور اگر شیعہ تھا تو اس کا حافظہ کیسا تھا۔ اور اگر حافظہ ٹھیک تھا تو کیا اس میں یہ اہلیت تھی کہ کسی حدیث کو اس کے ظاہری اور باطنی معنوں میں مکمل طور پر سمجھ کر روایت کر سکے، اور کیا وہ منسوخ شدہ احادیث کو دوسری احادیث سے الگ کر سکتا تھا کہ نہیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر ہمارے اس کہنے سے اکثر یہ ہوتا ہے کہ ملنگ حضرات کو یہ بات سمجھ نہیں آتی اور وہ مذاق اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس پر سادہ سا سوال کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے کہ یہ تو امام کا قول ہے کہ "قابلِ اعتماد" راوی سے مروی حدیث کو "غیر قابلِ اعتماد" راوی کی حدیث پر فوقیت ہے۔ تو آپ خود ہی بتا دیں کہ بغیر علمِ رجال کے آپ کے پاس کیا جادو کا چراغ ہے جس کی مدد سے آپ راوی کے قابلِ اعتماد ہونے کا پتا چلائیں گے؟

یہ کیسے جانا جائے کہ کون سا فقیہ علم میں زیادہ ہے؟

ایک اور عام اعتراض جو کہ یہ اخباری ملنگ حضرات اکثر اٹھاتے ہیں، یہ ہے کہ آپ تقلید تو کرتے ہیں، مگر یہ کیسے جانا جائے کہ کون سا فقیہ علم میں دوسرے سے زیادہ ہے؟

تو جناب، اصولی دنیا میں اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ کچھ بہت باعلم لوگ ہیں جنہیں اہلِ خبریٰ کہا جاتا ہے۔ ان کے پاس اتنا علم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ کس عالم کے پاس کتنا علم ہے۔ پھر انہی اہلِ خبریٰ کی شہادت پر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کون "اُعلم" ہے۔

مگر عموماً ان اخباری ملنگ حضرات کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، یا پھر آتی ہے مگر قبول نہیں کرنا چاہتے اور مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ تو ان کی خدمت میں اوپر دی گئی عمر بن حنظلہ کی حدیث پیش کرنی پڑتی ہے جس میں امام خود شیعوں کو حکم دے رہے ہیں کہ ان کے فیصلوں میں اختلاف کی صورت میں اس کا فیصلہ مانا جائے جو کہ علم اور تقویٰ میں زیادہ ہے۔ تو ہم ملنگ حضرات کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ وہ خود ہی ہمیں بتا دیں کہ ائمہ (ع) نے شیعوں کو ان کے علم اور تقویٰ ناپنے کا کون سا پیمانہ عطا کیا ہے؟

کیا اسلامی احکامات پر عبور حاصل کرنے کے لیے عربی زبان کا جاننا لازمی ہے؟

ہم اوپر پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ پاکستان میں تعلیم کی کمی کی حالت یہ ہے کہ شاید ہزار میں سے ایک آدمی ہی عربی زبان سمجھ سکتا ہو۔ لیکن باقر صاحب ان لوگوں کو اکسا رہے ہیں کہ وہ اسلامی احکامات خود سے اخذ کیا کریں۔ آئیے اب امامِ معصوم (ع) کا قول دیکھتے ہیں:

"راوی نے امام (ع) سے سوال کیا: "آپ (ع) مسح کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اس میں سر کا صرف ایک حصہ ہی استعمال ہو گا؟

امام (ع) نے جواب دیا: "یہ چیز اس بات سے ظاہر ہے کہ آیت میں "ب (وَامسَحُوا بِرُؤُوسِہِم) کا استعمال کیا گیا ہے۔"

کیا اب بھی کوئی یہ دعوی کر سکتا ہے کہ ایک جاہل شخص عربی جانے بغیر صحیح اسلامی احکامات اخذ کر سکتا ہے؟

شیعہ مذہب میں اصولِ فقہ کے متعلق مزید جاننے کے لیے "محمد ابراہیم جنتی" کی کتاب پڑھیے:

Ijtihad: Its Meaning, Sources, Beginnings and the Practice of *Ra'y*

نتیجہ:

اگر اعمال کو مقبول بنانا ہے تو ہمارے ان مخالفینِ تقلید مومنین کو ان تمام مراحل سے گذرنا پڑے گا، ورنہ ان کے اعمال صرف ان کے قیاسات پر مشتمل ہوں گے اور باطل قرار پائیں گے۔

اور اگر آپ ان تمام مراحل سے گذر گئے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ مجتہد بن گئے ہیں اور اب آپ پر تقلید واجب نہیں رہی۔ اور اب آپ کو تمام اسلامی احکامات خود سے معلوم کرنے ہوں گے (اور یہ وہی بات ہے جو اصولی علماء کہتے آرہے ہیں کہ ایسے شخص کے لیے تقلید نہیں ہے جس میں ان تمام مراحل سے گذر جانے کی صلاحیت موجود ہے) ہمیں نہیں پتا کہ باقر صاحب نے یہ تمام احادیث اپنے حامیوں سے کیوں چھپائیں؟ اور بیشک اللہ ہمارے تمام اعمال پر گواہ ہے۔

ائمہ معصومین (ع) کے نظر میں مفتی بننے کے لیے درکار اوصاف

وَالْمُفْتِي يَحْتاجُ إِلىٰ مَعْرِفَةِ مَعاني الْقُرْآنِ وَحقائِقِ السُّنَنِ وَبَواطِنِ الإشاراتِ وَالآدابِ وَالإجْماعِ والإخْتلافِ وَالإطّلاعِ علىٰ أُصُولِ ما أجْمَعوا عَلَيْهِ وَما اخْتَلَفُوا فيهِ ثُمَّ إلىٰ حُسْنِ الإخْتيارِ ثُمَّ العَمَلِ الصّالِحِ ثُمَّ الحِكْمَةِ ثُمَّ التَّقْوىٰ ثُمَّ حِينَئِذٍ إنْ قَدَرَ.

مصباح الشریعہ، باب 63، ص 355 پر امام الصادق (ع) سے یہ روایت ہے:

ایک مفتی کے لیے لازمی ہے کہ اسے قران کے معنوں کا علم ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث کے بھی صحیح معنوں کا علم ہو۔ اور وہ ہر آیت کا اندرونی معنوں کا بھی علم رکھتا ہو، اور ان تمام مسائل کو جانتا ہو جو کہ آداب اور معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسے گہرائی سے ان تمام چیزوں کا علم ہونا چاہیے جن میں اختلاف یا اتفاق پایا جاتا ہے، اور ان تمام وجوہات کا بھی علم ہونا چاہیے جن کی وجہ سے یہ اختلاف یا اتفاق پیدا ہو رہا ہے۔ پھر اس میں یہ اہلیت ہونی چاہیے کہ درست چیز کا انتخاب کر سکے۔ اور اس کو نیک کار بھی ہونا چاہیے، عقلمند اور متقی۔ یہ تمام صلاحیتوں کا حامل شخص فتویٰ دے سکتا ہے بشرطیکہ اس میں یہ اہلیت موجود ہو۔

ہم باقر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا گذشتہ صدیوں کے شیعوں نے مولا علی (ع) کی اس حدیث پر عمل کیا کہ نہیں اور کیا انہوں نے اعمال کرنے سے پہلے احادیث کو ان مراحل (اصولِ فقہ) پر پرکھا کہ نہیں؟ اگر پرکھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ شیعوں میں اجتہاد کا آغاز ائمہ معصومین (ع) کے زمانہ میں ہی ہو گیا تھا؟ تو پھر اصولی علماء کو آپ یہ الزام کیوں دے رہے ہیں کہ انہوں نے اصولِ فقہ کو امام شافعی سے لیا ہے؟

باقر صاحب سے دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ جو تمام عام شیعہ حضرات کو کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنے لیے اسلامی احکامات خود اخذ کریں، تو کیا تمام عام کم علم شیعہ حضرات میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ وہ تمام احادیث کو اصولِ فقہ کے ان تمام مراحل سے گذار سکیں؟

اللھم صلی علی محمد و آل محمد۔

باب 3: تقلید سے متعلق سوالات

کیا معصومین (ع) نے اپنے عام شیعوں کو کبھی یہ حکم دیا ہے کہ وہ علم رکھنے والے ایسے علماء کی تقلید کریں، جن میں یہ اہلیت پائی جاتی ہو کہ وہ معصومین (ع) کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اسلامی احکامات اخذ کر سکیں؟

جی ہاں، ایسی کئی احادیث موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ احادیث باقر صاحب نے بھی اس باب کے ذیل نقل کیں ہیں کہ وہ احادیث جو علامہ حائری (اصولی عالم) نے "تقلید" کے واجب ہونے کے دلیل کے حق میں نقل کیں ہیں۔ یہ روایات نقل کرنے کے بعد باقر صاحب ان پر تبصرہ فرماتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی حدیث بھی تقلید یا فتویٰ دینے کو ثابت نہیں کرتی ہے۔ لیکن باقر صاحب کی اس پوری بحث میں کئی خامیاں ہیں:

1) باقر صاحب نے کچھ روایات کے ترجمے میں اتنی تحریف کر دی ہے کہ ان کی کتاب کا پڑھنے والا شخص کبھی بھی حق تک نہیں پہنچ سکتا۔

2) اور کچھ روایات کے سلسلے میں باقر صاحب نے حدیث کا صرف ایک حصہ لیا ہے اور اس کی توڑ مروڑ کر ایسی تشریح کر دی ہے جو کہ ان کے عقائد سے میل کھاسکے۔ جبکہ ان احادیث کا دوسرا حصہ باقر صاحب اپنے پڑھنے والوں سے بالکل چھپا گئے ہیں کیونکہ وہ ان کے عقائد کے بالکل خلاف جاتا ہے۔

(باقر صاحب / اخباری حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ معصومین (ع) نے فقہاء کو صرف یہ حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو ان کی احادیث پہنچا دیں، مگر یہ اجازت نہیں دی تھی کہ اپنی طرف سے ان احادیث کی بنیاد پر کوئی فتویٰ بھی دیں۔ یہ لوگ مزید دعویٰ کرتے ہیں کہ اوائل زمانہ میں عام کم علم شیعہ فقہاء کے پاس صرف ائمہ کی احادیث لینے جاتے تھے، لیکن ان سے کوئی فتویٰ نہیں لیتے تھے، بلکہ ان احادیث کی بنیاد پر خود فقہی مسئلہ کا حل معلوم کرتے تھے)۔

3) اور کچھ ایسی واضح احادیث کو باقر صاحب سرے سے گول کر گئے ہیں کہ جن میں معصومین (ع) بالکل صاف الفاظ میں اپنے باعلم اصحاب کو فتوی دینے کا حکم دے رہے ہیں اور فتویٰ دینے کے لیے موجود شرائط بتا رہے ہیں۔ مثلاً اپنی کتاب کشف الحقائق کے صفحہ 262 پر "بارھویں دلیل" کے ضمن میں باقر صاحب مندرجہ ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:

" مجھے امام جعفر صادق (ع) نے اپنے صحابہ کی طرف بھیجا اور کہلوایا کہ جب تم میں لین دین یا کوئی دوسری

قسم کا تنازعہ اٹھ کھڑا ہو جس کا فیصلہ کرنے کے لیے ان لاقانون قاضیوں کی طرف رجوع کرنا پڑے تو تم ایسے شخص کو اختیار کرنا جو ہمارے حلال اور حرام کی معرفت رکھتا ہو تو میں ایسے شخص کو اپنی طرف سے تم پر قاضی مقرر کرتا ہوں"

آگے باقر صاحب اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں بھی بات راویان حدیث اور عارفین حدیث کی ہو رہی ہے یہ کہ اپنی طرف سے رائے اور قیاس سے ظنی احکام کے فتوے دینے والوں کی۔ اس حدیث میں نہ اجتہاد ہے، نہ مجتہد اور نہ تقلید۔"

اس حدیث کے ضمن میں باقر سے مندرجہ ذیل چیزوں میں ایمانداری سے کام نہیں لیا ہے۔

1) حدیث کے ترجمے میں کھل کر تحریف کی ہے اور یہ کسی طرح بھی اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

2) اس حدیث کا صرف ایک حصہ درج کیا ہے اور اس کی تشریح توڑ مروڑ کر ایسی کی ہے کہ یہ ان کے عقائد کے مطابق بن سکے۔ جبکہ اس حدیث کے دوسرے حصہ کو صاف نگل گئے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے خود ساختہ عقائد کے بالکل خلاف جاتا ہے۔

آیئے اس حدیث کا صحیح اور مکمل ترجمہ دیکھتے ہیں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس مکمل حدیث کو دیکھیں، ضروری ہے کہ اپنے محترم پڑھنے والوں کے لیے ہم یہ واضح کریں کہ فتویٰ اصل میں کہتے کسے ہیں تاکہ پڑھنے والے اس حدیث کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔

فتویٰ اصل میں کیا ہے؟

فتویٰ مفتی کا اپنا ذاتی خیال / فیصلہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ فتویٰ اس کے سوائے کچھ نہیں کہ قرآنی آیات اور احادیثِ معصوم (ع) کو اپنے علم کے مطابق ان کے صحیح اور اصل معنوں میں سمجھا جائے اور اس بنیاد پر **فیصلہ** سنایا جائے۔

باقر صاحب نے اپنی پوری کتاب میں کئی جگہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیعہ مذہب میں فتویٰ (یعنی اپنے علم اور سمجھ کے مطابق فیصلہ) دینا حرام ہے اور دلیل کے طور پر انہوں نے معصومین (ع) کی وہ روایات پیش کیں ہیں جو کہ ناصبیوں اور ان کے مفتیوں کے شر کو ظاہر کرنے کے لیے تھیں۔ مگر باقر صاحب انہیں شیعہ فقہاء پر چپاں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جبکہ ہمارے پاس معصومین (ع) کی بالکل واضح اور صاف احادیث بھی موجود ہیں کہ جن میں ائمہ (ع) نے اپنے با علم اصحاب کو حکم دیا ہے کہ وہ کم علم شیعوں کو فتویٰ دیا کریں (یعنی انہیں کسی مسئلہ پر احادیث کے صحیح اور اندرونی مطلب کو بتایا کریں)۔ آیئے اب ہم معصوم (ع) کی

ایک ایسی ہی روایت کو دیکھتے ہیں (جس کو باقر صاحب صاف چھپا گئے ہیں کیونکہ یہ واضح حدیث ان کے عقائد کا پردہ چاک کر رہی ہے)۔

مصباح الشریعہ، باب 63، ص 355 پر امام الصادق (ع) سے یہ روایت ہے:

وَالمُفتي يَحتاجُ إلىٰ مَعرِفَةِ مَعاني القُرآنِ وَحقائِقِ السُّنَنِ وَبَواطِنِ الإشاراتِ وَالآدابِ وَالإجماعِ والإختلافِ وَالإطّلاعِ علىٰ أُصُولِ ما أجمَعوا عَلَيهِ وَما اختَلَفُوا فيهِ ثُمَّ إلىٰ حُسنِ الإختيارِ ثُمَّ العَمَلِ الصّالِحِ ثُمَّ الحِكمَةِ ثُمَّ التَّقوىٰ ثُمَّ حِينَئِذٍ إنْ قَدَرَ.

ایک مفتی کے لیے لازمی ہے کہ اسے قران کے معنوں کا علم ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث کے بھی صحیح معنوں کا علم ہو۔ اور وہ ہر آیت کا اندرونی معنوں کا بھی علم رکھتا ہو، اور ان تمام مسائل کو جانتا ہو جو کہ آداب اور معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسے گہرائی سے ان تمام چیزوں کا علم ہونا چاہیے جن میں اختلاف یا اتفاق پایا جاتا ہے، اور ان تمام وجوہات کا بھی علم ہونا چاہیے جن کی وجہ سے یہ اختلاف یا اتفاق پیدا ہو رہا ہے۔ پھر اس میں یہ اہلیت ہونی چاہیے کہ درست چیز کا انتخاب کر سکے۔ اور اس کو نیک کار بھی ہونا چاہیے، عقلمند اور متقی۔ یہ تمام صلاحیتوں کا حامل شخص فتویٰ دے سکتا ہے بشرطیکہ اس میں یہ اہلیت موجود ہو۔

اس واضح حدیث کے سامنے اخباری حضرات کے پاس اپنے عقائد کے کوئی دفاع نہیں رہتا۔ اس لیے وہ ایسی تمام احادیث کو مسلسل نظر انداز کرتے رہتے ہیں یا چھپاتے رہتے ہیں۔

عزیز مومنین! اس لیے آپ اپنے ذہنوں میں یہ بات واضح کر لیں کہ فتویٰ اس کے سوائے کچھ نہیں کہ احادیثِ معصومین (ع) کو ان کے صحیح معنوں میں سمجھ کر فیصلہ سنایا جائے اور یہ پتا ہو کہ کون سی آیت یا حدیث ناسخ ہے اور کون سی منسوخ۔۔۔۔۔ ایک عام کم علم شیعہ کو ایک ہی مسئلہ پر کئی متضاد دکھائی دینے والی احادیث ملیں گی اور اس میں یہ اہلیت نہیں ہے کہ وہ ان تمام احادیث کو ان کے صحیح معنوں میں سمجھ کر سکے اور ان کا اطلاق کسی مسئلہ پر صحیح طریقے سے کر سکے۔

آئیے اب ہم باقر صاحب کی تحریف شدہ حدیث کا صحیح اور مکمل ترجمہ پیش کریں تاکہ محترم مومنین خود عدل کے ساتھ فیصلہ کر سکیں:

الکافی، کتاب 196، باب 21، حدیث 9:

(راوی کہتا ہے کہ اگر دو شیعہ گروہوں میں لین دین کے کسی فقہی مسئلہ پر اختلاف ہو جائے) اس صورت میں ہم کیا کریں۔

امام (ع) نے جواب دیا: "تمہیں چاہیے کہ تم اپنے میں سے ایسے شخص کو تلاش کرو کہ جو ہماری احادیث کو

روایت کرتا ہو اور جس نے اس چیز کا مطالعہ کیا ہو کہ ہماری تعلیمات میں کیا چیزیں حلال ہیں اور کون سی چیزیں حرام، اور جس نے ہمارے دیے گئے قوانین کا (گہرائی کے ساتھ) مطالعہ کیا ہو۔ تو ان دونوں گروہوں کو چاھیے کہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس مسئلہ میں وہ اس شخص کے فیصلہ کو مان لیں گے، کیونکہ میں اس شخص کو تم پر قاضی مقرر کرتا ہوں۔ اور جب وہ شخص ہمارے احکامات کے مطابق فیصلہ (یعنی فتویٰ) سناتا ہے، مگر اس کے فیصلے کو قبول نہیں کیا جاتا، تو یہ اللہ کے احکامات کو نظر انداز کرنا ہے اور ہمارا انکار کرنے کے برابر ہے۔ اور ہمارا انکار کرنا اللہ کا انکار کرنا ہے اور یہ شرک کے برابر کی سطح کا گناہ ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: "اگر یہ دونوں اختلافی گروہ میں سے ہر ایک ہمارے درمیان میں سے ایسے اشخاص (جس میں یہ صلاحیتیں موجود ہوں) کا انتخاب کریں اور اس پر راضی ہوں کہ ان کا فیصلہ مانیں گے، لیکن یہ دونوں اشخاص دو مختلف فیصلے سنائیں اور ان کے درمیان آپ کی احادیث کے متعلق اختلاف ہو، تو اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

امام (ع) نے جواب دیا: "اس شخص کا فیصلہ (یعنی فتویٰ) مانا جائے جو کہ زیادہ عادل ہو، جس میں قوانین اور فقہ سمجھنے کی زیادہ صلاحیت موجود ہو، اور جو حدیث کے ملات میں زیادہ سچا ہو اور جو کہ تقویٰ میں زیادہ ہو۔ اور اس صورت میں دوسرے شخص کے فیصلہ کو ترک کر دیا جائے۔

عزیز مومنین! صورتحال یہ ہے کہ:

1) دو شیعہ پارٹیوں میں معاملات کے کسی فقہی مسئلہ پر اختلاف ہے۔

2) ایک فقیہ اپنا فیصلہ (اپنے علم اور سمجھ کے مطابق فتویٰ) سناتا ہے کہ فلاں حدیث کا فلاں حکم فلاں شرعی مسئلہ پر لاگو ہو رہا ہے۔

3) مگر یہ ممکن ہے کہ دوسرا فقیہ پہلے فقیہ کے فیصلے سے مختلف کوئی دوسرا فیصلہ (اپنے علم اور سمجھ کے مطابق) سنا دے کہ اس شرعی مسئلہ پر فلاں حدیث کا فلاں حکم لاگو ہو رہا ہے۔

4) امام (ع) فرماتے ہیں کہ اس صورتحال میں اس شخص کا فیصلہ مانا جائے گا جو کہ زیادہ با علم اور تقویٰ میں بلند تر ہو گا۔

محترم مومنین! پہلی چیز تو آپ یہ نوٹ کریں کہ "فیصلہ" اور "حدیث" دو مختلف چیزیں ہیں۔

دوسرا کسی فقیہ کا اپنے علم اور سمجھ کے مطابق دیا ہوا یہ فیصلہ فتویٰ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور اس فیصلے کے متعلق معصوم (ع) فرما رہے ہیں:

------تو ان دونوں گروہوں کو چاہیے کہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس مسئلہ میں وہ اس شخص کے فیصلہ کو مان لیں گے، کیونکہ میں اس شخص کو تم پر قاضی مقرر کرتا ہوں۔ اور جب وہ شخص ہمارے احکامات کے مطابق فیصلہ سناتا ہے، مگر اس کے فیصلے کو قبول نہیں کیا جاتا، تو یہ اللہ کے احکامات کو نظر انداز کرنا ہے اور ہمارا انکار کرنے کے برابر ہے۔ اور ہمارا انکار کرنا اللہ کا انکار کرنا ہے اور یہ شرک کے برابر کی سطح کا گناہ ہے۔

عزیز مومنین، ہمارا فرض یہ تھا کہ ہر چیز کو صاف اور واضح کر کے آپ تک پہنچا دیا جائے۔ باقی اب یہ آپ کا فرض ہے کہ عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ آیا واقعی باقر صاحب کے دعوے کے مطابق یہ روایت شیعہ فقہاء کو صرف احادیثِ معصوم (ع) بیان کرنے کا حکم دے رہی ہیں یا اس سے بڑھ کر اپنا فیصلہ / فتویٰ سنانے کا حکم دے رہی ہے۔

اسی طرح کی ایک حدیث شیخ الطبرسی نے نقل کی ہے:

الاحتجاج، شیخ الطبرسی، ج 2، ص 283:

قالَ أبو مُحَمَّدٍ الحَسَنُ العَسْكَرِيّ(ع): ... فَأَمّا مَنْ كانَ مِنَ الفُقَهاءِ صائِناً لِنَفْسِهِ حافِظاً لِدِينِهِ مُخالِفاً لِهَواهُ مُطيعاً لِأَمْرِ مَوْلاهُ فَلِلْعَوامِّ أَنْ يُقَلِّدوهُ.

امام حسن عسکری (ع) فرماتے ہیں: "۔۔۔جو کوئی فقہاء میں سے اپنے ذاتی میلانات سے محفوظ ہو، اپنے دین کا محافظ ہو، اپنی خواہشات کا مخالف ہو اور اپنے مولا کا مطیع اور فرمانبردار ہو، تو عوام پر لازم ہے کہ اس کی تقلید کریں۔"

باقر نثار زیدی صاحب نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ "فقیہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو کہ اصولی علماء لوگوں کو بتاتے پھرتے ہیں (یعنی ایسا شخص جو کہ اپنے علم کے مطابق فیصلے اور فتوے دیتا ہو)، بلکہ فقیہہ کا صرف ایک مطلب ہے، اور وہ یہ کہ ہر وہ شخص جو کہ معصومین (ع) کی احادیث کو بیان کرے وہ فقیہ ہے (یعنی فقیہ کا کردار صرف حدیثیں روایت کرنا ہے)۔

اور اپنی بتائی ہوئی فقیہ کی تعریف کو ثابت کرنے کے لیے باقر صاحب یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا:

ہم ایسے لوگوں کو فقیہ کا درجہ نہیں دیتے جو کہ محدث نہ ہوں۔

(حوالہ: ولایتِ فقیہ)

اس حدیث کو پیش کرنے کے بعد باقر صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ فقیہ صرف وہ ہے جو کہ معصومین (ع) کی احادیث کو آگے لوگوں تک پہنچاتا ہے (یعنی فقیہ صرف راویِ حدیث کا دوسرا نام ہے)۔

مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حدیث کے صحیح الفاظ یہ ہیں

لَایَکُونُ الفَقیہُ فَقیہاً حَتّیٰ یَعرِفَ مَعارِیضَ کَلامِنا.

"کوئی اس وقت تک فقیہ نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ ہمارے کلام کے معنی نہیں جانتا ہو۔"

باقر صاحب چاہتے ہیں کہ علماء کے مقابے میں تمام ملنگ حضرات کو بھی فقیہ بنا ڈالیں تاکہ وہ اپنے نفس کی تقلید کر سکیں۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ فقیہ کے مقام کو گھٹا کر صرف راویِ حدیث تک لے آیا جائے تاکہ ملنگ حضرات بھی فقیہ ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ معصوم (ع) نے ایسے صرف اور صرف ایسے لوگوں کو فقیہ کہا ہے (اور انکی تقلید کرنے کو کہا ہے) جن کے اندر دوسری اہلیتوں کے علاوہ یہ اہلیت بھی ہو کہ معصوم (ع) کے کلام کے معنی بھی جانتے ہوں۔

اسی طرح اور بھی کئی احادیث معصومین (ع) سے مروی ہیں مگر ان کے ساتھ بھی باقر صاحب نے وہی سلوک کیا ہے جیسا کہ اوپر والی احادیث کے ساتھ۔ اور یہ معنوی تحریف کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یہ احادیث صرف یہ ثابت کر رہی ہیں کہ ائمہ (ع) نے شیعہ فقہا کو صرف یہ حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں تک احادیثِ معصومین (ع) بغیر اپنے کسی فیصلے کے پہنچائیں (یعنی صرف راویانِ حدیث کا کام کریں اور اس میں اُن میں اور ایک سنی / خارجی / مرجیہ راویِ حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے)

لاحتجاج الطبرسی، ج 2:

امام آخر الزمان (ع) اپنی توقیع مبارک میں اسحاق بن یعقوب کو جواب دیتے ہیں: "تمہیں چاہیئے کہ حوادث واقعہ (جو کہ غیبتِ کبرہ کے دوران پیش آئیں) کے بارے میں تم ہماری احادیث کے راویان سے رجوع کرنا، کیونکہ وہ تم پر ہماری طرف سے ایسے ہی حجت ہیں جیسا کہ ہم اللہ کی طرف سے تم پر حجت ہیں۔

معصومین (ع) اپنے باعلم اصحاب کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ فتوے دیا کریں

وسائل الشیعہ، ج 18، باب 11، حدیث 37:

راوی کہتا ہے کہ امام الصادق (ع) نے مجھ سے فرمایا: "

مجھے بتایا گیا ہے کہ تم مسجد میں بیٹھتے ہو اور لوگوں کو فتوے دیتے ہو۔" میں نے جواب دیا: "ہاں! میں ایسا ہی کرتا ہوں"۔ پھر میں نے سوال کیا، "اس سے قبل کہ میں آپ سے رخصت لوں، مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے اور وہ یہ کہ لوگ مسجد میں میرے پاس آتے ہیں اور سوالات پوچھتے ہیں۔ اگر مجھے یہ علم ہو کہ وہ آپ کے مخالفین میں سے ہے اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل نہیں کرتا، تو میں ایسے شخص کو وہ فتوی بیان کرتا ہوں جو کہ اس کے فقہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اگر مجھے علم ہوتا ہے کہ یہ آپ کا ماننے والا ہے تو میں شیعہ فقہ کے مطابق فتوی دیتا ہوں۔ لیکن اگر مجھے یہ علم نہ ہو سکے کہ اس کا تعلق کس گروہ سے ہے تو میں اسے مختلف فتوے بتاتا ہوں اور جس میں آپ کا فتوی بھی شامل کر دیتا ہوں۔ امام (ع) نے اس پر فرمایا: "اپنے اس طریقے کو جاری رکھو کہ میرا بھی یہی طریقہ ہے"۔

اسی طرح ابان بن تغلب سے روایت ہے

جامعہ الرواہ، ج 1، ص 9:

امام باقر (ع) نے ابان بن تغلب سے کہا:

"اے ابان! تم مسجدِ نبی میں بیٹھا کرو اور لوگوں کو فتوے دیا کرو۔ یہ ہمیں پسند ہے کہ دنیا تم جیسے مفتی کو ہمارے شیعوں کے درمیان دیکھا کرے"

اسد الغابہ، ج 4، ص 197 پر درج ہے کہ امام علی (ع) اپنے کزن قثم ابن عباس کو مکہ کا گورنر مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

أَفْتِ الْمُسْتَفْتِي وَعَلِّمِ الْجاهِلَ.

مستغنی (دین کا نیا آغاز کرنے والے) کو فتوی دیا کرو اور جاھلوں کو علم دیا کرو"

کچھ احادیث بیان کرتی ہیں کہ معصومین (ع) نے اپنے کچھ ماننے والوں کو حکم دیا کہ حدیث اور فتوی کے ملاملات میں وہ ائمہ کے باعلم اصحاب سے دریافت کر لیا کریں:

اصولِ کافی، ج 1، ص 67

علی ابن مسیب الهدانی کہتے ہیں کہ انہوں نے امام رضا (ع) سے کہا کہ انہیں بہت طویل سفر طے کر کے ان کے پاس آنا پڑتا ہے اور اس لیے وہ ہر وقت ان تک نہیں پہنچ پاتا۔ تو ایسی صورت میں ایمانی تعلیمات کس سے حاصل کیا کروں؟ امام (ع) نے جواب دیا، "زکریا ابن آدم سے کہ وہ دین اور دنیا کے ملاملات میں میرا قابلِ اعتماد ساتھی ہے۔" علی بن مسیب کہتے ہیں کہ واپسی کے سفر میں میں زکریا بن آدم کے پاس گیا اور ان سے وہ سب کچھ پوچھا جو کہ مجھے پوچھنا تھا۔"

اللھم صلی علی محمد وآل محمد۔

باب 4 ۔ کیا مراجع کرام کے فتوؤں میں فرق کی وجہ سے انہیں موردِ الزام ٹھرایا جا سکتا ہے؟

تقلید مخالفین گروہ کی طرف سے سب مراجع کرام پر سب سے بڑا الزام جو لگایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اسلامی شریعت ایک ہے اور اگر یہ مراجع کرام واقعی نائبِ امام ہیں تو پھر ان کے فتوؤں میں اختلاف کیوں ہے۔

باقر نثار زیدی صاحب نے بھی اپنی پوری کتاب کے دوران بار بار یہ الزام دہرایا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ مراجع کرام کے یہ فتوے (جن میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے) وہ کبھی بھی معصومین (ع) کی طرف سے نہیں ہوسکتے بلکہ وہ صرف شیطان کی طرف سے ہیں۔

باقر صاحب نے صفحہ 102 سے لیکر صفحہ 130 تک اٹھائیس صفحات پر مشتمل مکمل ایک باب "اختلاف" کی نظر کیا ہے اور مراجع کرام پر اس حوالے سے سخت تنقید کی ہے۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے اس اٹھائیس صفحات پر مشتمل تنقید کو یہاں نقل کریں۔ لیکن ہماری بہت خواہش ہے کہ اگر موقع ملے تو ہمارے قارئین کشف الحقائق کے اس پورے باب کا مطالعہ کریں، تاکہ انہیں اندازہ ہو سکے کہ لوگ کس طرح قرانی آیات اور احادیثِ معصومین (ع) کو توڑ مروڑ کر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر کے عام لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

مثلاً باقر صاحب لکھتے ہیں:

> "یہ بات مسلماتِ دیرینہ میں سے ہے کہ حق ہمیشہ ایک ہوتا ہے اور اس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا۔ اور اختلاف کا نہ ہونا ہی دلیلِ حق ہے۔ اور باطل جہاں بھی ہو گا اس میں اختلاف ضرور ہو گا اور اس میں اختلاف کا پایا جانا ہی اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ یہ بات ناممکنات میں سے ہے کہ باطل میں اختلاف نہ ہو۔ یہ حق کی حفاظت کے لیے اللہ کا انتظام ہے، جس کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ (صفحہ 102)

اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ان قرانی آیات کا استعمال کیا ہے

> (آلِ عمران 105) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے اور بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آچکی تھیں۔ انہوں نے اختلاف کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

> (سورہ مائدہ 48) پس تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔ تم سب کی بازگشت اللہ کی طرف ہی ہے۔ پس وہ

تمہیں بتا دے گا جس جس بات میں تم آپس میں اختلاف کرتے تھے۔

(سورہ نحل 24) اور (اے رسول) ہم نے یہ کتاب تم پر نازل نہیں کی مگر اس لیے کہ جن باتوں میں انہوں نے اختلاف کیا تو انہیں ان کے لیے کھول کر بیان کر دے۔

(القران 4:82) ۔۔۔ اور اگر یہ (کتاب) اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتی، تو یقیناً تم اس میں کئی اختلاف پاتے۔

اسی طرح یہ اخباری حضرات اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ حدیث بھی استعمال کرتے ہیں:

الکافی، کتاب 178، باب 20، حدیث 1:

"راوی کہتا ہے کہ امام ابو عبد اللہ (ع) فرماتے ہیں:

بے شک اللہ بزرگ و برتر ہر چیز تفصیلاً نازل فرمائی ہے اور باخدا، اس نے اپنے بندوں کے لیے کوئی بھی چیز، جس کی انہیں قیامت تک ضرورت پڑ سکتی ہے، بتائے بغیر نہیں چھوڑی ہے۔ اور اللہ نے یہ اس لیے کیا ہے کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر صرف فلاں فلاں چیز ہمیں قران میں مل سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے یہ سب کچھ قران میں بتا دیا ہے۔"

الغرض، ایسی تمام قرانی آیات اور احادیث نقل کر کے باقر صاحب یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ مراجع کرام کے یہ فتوے، کہ جن میں اختلاف پایا جاتا ہے، یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ صرف باطل کی طرف سے ہیں۔

محترم مومنین! اوپر بیان کی گئی قرانی آیات کا اصل خطاب کفار سے ہے اور اللہ ان اختلاف کا ذکر کر رہا ہے جن کا اصل تعلق اصولِ دین سے ہے مثلاً توحید و نبوت و قیامت۔ ان قرانی آیات کو مومنین پر اس لیے چسپاں کرنا کیونکہ فروع دین میں ان میں چند اختلافات پائے جاتے ہیں، یہ انتہائی زیادتی ہے۔

ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ بشک اللہ نے تمام چیزوں کا علم قران میں نازل فرما دیا ہے، مگر اس سارے علم کے جاننے والے

صرف ائمہ معصومین (ع) ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ معصومین (ع) کو بھی علم تھا کہ باعلم شیعہ فقہاء کے فتوؤں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات معصومین (ع) نے احادیث کے ذریعے ہمیں پہلے ہی بتا دی ہے اور ساتھ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر فقہاء کے فتوؤں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں ہم عام شیعوں کو کیا کرنا چاہیئے۔

آیئے معصوم (ع) کی حدیث دیکھتے ہیں:

۔۔۔(راوی کہتا ہے کہ اگر دو شیعہ گروہوں میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہو جائے) اس صورت میں ہم کیا کریں۔

امام (ع) نے جواب دیا: "تمہیں چاہیے کہ تم اپنے میں سے ایسے شخص کو تلاش کرو کہ جو ہماری احادیث کو روایت کرتا ہو اور جس نے اس چیز کا مطالعہ کیا ہو کہ ہماری تعلیمات میں کیا چیزیں حلال ہیں اور کون سی چیزیں حرام، اور جس نے ہمارے دیے گئے قوانین کا (گہرائی کے ساتھ) مطالعہ کیا ہو۔ تو ان دونوں گروہوں کو چاھیے کہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس مسئلہ میں وہ اس شخص کے فیصلہ کو مان لیں گے، کیونکہ میں اس شخص کو تم پر حاکم مقرر کرتا ہوں۔ اور جب وہ شخص ہمارے احکامات کے مطابق فیصلہ سناتا ہے، مگر اس کے فیصلے کو قبول نہیں کیا جاتا، تو یہ اللہ کے احکامات کو نظر انداز کرنا ہے اور ہمارا انکار کرنے کے برابر ہے۔ اور ہمارا انکار کرنا اللہ کا انکار کرنا ہے اور یہ شرک کے برابر کی سطح کا گناہ ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: "اگر یہ دونوں اختلافی گروہ میں سے ہر ایک ہمارے درمیان میں سے ایسے شخص (جس میں یہ صلاحیتیں موجود ہوں) کا انتخاب کریں اور اس پر راضی ہوں کہ ان کا فیصلہ مانیں گے، لیکن یہ دونوں اشخاص دو مختلف فیصلے سنائیں اور ان کے درمیان آپ کی احادیث کے متعلق اختلاف ہو، تو اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

امام (ع) نے جواب دیا: "اس شخص کا فیصلہ مانا جائے جو کہ زیادہ عادل ہو، جس میں قوانین اور فقہ سمجھنے کی زیادہ صلاحیت موجود ہو، اور جو حدیث کے ملاحظے میں زیادہ سچا ہو اور جو کہ تقویٰ میں زیادہ ہو۔ اور اس صورت میں دوسرے شخص کے فیصلہ کو ترک کر دیا جائے۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے امام سے مزید دریافت کیا: "اگر یہ دونوں افراد یکساں عادل ہوں اور لوگوں میں

یکساں قابلِ اعتماد مانے جاتے ہوں، اوران میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہ ہو، تو اس صورت میں ہم کیا کریں؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اس صورت میں ان احادیث کو دیکھا جائے گا جوکہ وہ دونوں ہم سے روایت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون سی حدیث تم لوگوں میں زیادہ مقبول ہے۔ اس صورت میں اس زیادہ مقبول حدیث کو مان لیا جائے اور دوسری حدیث کو ترک کر دیا جائے کیونکہ زیادہ مشہور حدیث کے صحیح ہونے میں شکوک کم پائے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام (ع) سے مزید پوچھا: "اگر دونوں احادیث ہی لوگوں میں یکساں مقبول ہوں اور ایسے لوگوں سے ہم تک پہنچی ہوں جوکہ یکساں قابلِ اعتماد ہوں، تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اس صورت میں یہ دیکھا جائے کہ ان میں سے کون قران اور سنت کے مطابق ہے اور آیا کہ یہ ان قوانین کے مطابق تو نہیں جوکہ ہمارے مخالفین کے ہیں۔ اس صورت میں اسے قبول کر لیا جائے جوکہ قران و سنت کے قوانین کے مطابق ہے اور اس کو رد کر دیا جائے جوکہ عامہ کے اصولوں سے مطابقت رکھتا ہو۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے امام (ع) سے مزید دریافت کیا: "۔۔۔اگر دونوں فقیہ علماء نے یہ اصول اور فیصلے کتاب اللہ اور سنت نبی سے اخذ کیے ہوں اور ان میں سے ایک عامہ سے مطابقت رکھتی ہو اور دوسری عامہ کے خلاف ہو، تو اس صورت میں کس کی پیروی کی جائے؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اس کی پیروی کی جائے جوکہ عامہ کے خلاف ہو، کیونکہ اس میں ہی ہدایت ہے۔"

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام (ع) سے مزید دریافت کیا: "اگر دونوں احادیث ہی عامہ میں مقبول ہوں تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟"

امام (ع) نے جواب دیا: "اس صورت میں یہ دیکھا جائے کہ کون سی حدیث حکمرانوں میں زیادہ مقبول

ہے۔ اور اس کو ترک کر دیا جائے اور دوسری حدیث پر عمل کیا جائے۔"

برادرانِ گرامی قدر، آپ دیکھیں کہ کیا واقعی امامِ معصوم (ع) فقہاء کے فتوؤں کے اس اختلاف کی صورت میں انہیں موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں اور ان فتوؤں کو باقر صاحب / اخباری حضرات کی طرح باطل کی طرف سے قرار دے رہے ہیں؟

مومنین، ہمیں اللہ کے بنائے ہوئے نظام کو سمجھنا چاہیئے کہ اگر اللہ چاہتا تو قران کی طرح احادیث کو بھی 100 فیصد کسی بھی قسم کی تحریف سے محفوظ کر دیتا۔ مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اللہ چاہتا ہے کہ انسان کسی نہ کسی امتحان میں مبتلا رہے اور عدل کے ساتھ حق راستے کا انتخاب کرے۔ اور ہم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اللہ سے اس کی مرضی اور مشیت کے متعلق سوال کریں یا تنقید کریں۔ ہمارا فرض صرف یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے ہمیں زندگی گذارنے کا حکم دیا ہے، ویسے زندگی گذاریں۔

دوسرا یہ کہ ہم یہ سمجھیں کہ مراجع کرام بھی انسان ہیں اور غیر معصوم ہیں اور ہر قسم کی غلطی سے محفوظ نہیں ہیں۔ اور اگر یہ مراجع کرام ہر غلطی سے معصوم ہو جائیں تو ہمیں ایک معصوم امام کے ظہور کی دعائیں مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ پس ہم امامِ زمانہ کے ظہور کی دعائیں مانگتے ہی اس لیے ہیں کہ یہ دنیا ان کے ظہور کے بغیر ادھوری ہے اور وہ ہی آکر اسے مکمل کریں گے اور عدل وانصاف قائم کریں گے۔

تیسرا یہ کہ ہم یہ سمجھیں مراجع کرام کے 99 فیصد فتوؤں میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ اور باقی ایک فیصد فتوؤں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ بھی اکثر بہت معمولی قسم کا ہے۔

مثلاً اگر ایک مرجع نے کسی چیز کو حرام قرار دیا ہے تو دوسرے مرجع نے مکروہ۔ اسی طرح اگر ایک کسی چیز کو واجب کہہ رہا ہے تو دوسرا مستحب۔ اور یہ صورتحال بہت کم ہی پائی جاتی ہے کہ ایک کسی چیز کو حلال کہے اور دوسرا اسے مطلقاً حرام ٹھہرائے۔

اخباری حضرات میں اختلافات اور باقر زیدی صاحب کی دوغلی پالیسی

Double Standards

عوام (بلکہ اپنے آپ) کو گمراہ کرنے کے لیے یہ حضرات جو ایک دلفریب نعرہ لگاتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ ائمہ (ع) کی ڈائریکٹ تقلید میں ہیں۔ پھر اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ شریعت تو ایک ہے، مگر مراجع کرام کے فتوؤں میں اتنا اختلاف ہے کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کا دین ایک ہی شریعت ساز کی طرف سے آیا ہو۔ اس لیے ان اختلافات کی وجہ سے یہ مراجع کرام کو چھوڑ کر ائمہ کی ڈائریکٹ تقلید کرتے ہیں۔

پاکستان اور انڈیا میں باقر صاحب اور ان کے حامیوں نے مراجع کرام کے فتوؤں میں فرق کے وجہ سے ان کے خلاف اتنا پروپیگنڈہ کیا ہے اور

اس بنیاد پر انہیں شیطان کا چیلہ ثابت کرنے کی اتنی کوششیں کیں ہیں کہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اب انہیں آئینہ دکھا دیا جائے۔ کیا یہ اخباری حضرات ہمارے ان سوالات کا جواب دیں گے کہ:

1) ان اخباری حضرات کے نزدیک قران میں نعوذ باللہ تحریف ہو گئی ہے اور اس لیے شرعی مسائل کے لیے ہدایات صرف احادیث معصومین سے ہی حاصل کی جا سکتی ہیں۔ مگر قران دعویٰ کر رہا ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ مگر کیا احادیثِ معصومین ہر طرح کی تحریف سے پاک ہیں؟

2) چلیں مان لیتے ہیں کہ آپ کا دعویٰ درست ہے اور ہم سب غیر مقلد بن جاتے ہیں اور تمام شرعی مسائل کا حل خود معلوم کرنے لگ جاتے ہیں۔ تو کیا اس بات کی کوئی گارنٹی ہے کہ ہم سب کم علم اور جاہل عوام کے اخذ کردہ شرعی احکامات میں کوئی فرق اور اختلاف نہ ہو گا؟

3) اچھا یہ بتائیں کہ پاکستان اور انڈیا میں تقلید کے مخالفین کی اچھی بڑی تعداد موجود ہے جو کہ مرجع کے فتوؤں پر عمل نہیں کرتے بلکہ خود سے فقہی احکامات اخذ کرتے ہیں۔ کیا آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کے ان اخذ کردہ احکامات میں کسی قسم کا کوئی فرق اور اختلاف نہیں پایا جاتا؟

اور اگر ان میں بھی فرق پایا جاتا ہے (جو کہ یقیناً پایا جاتا ہے اور مراجع کرام کی نسبت کہیں گنا زیادہ پایا جاتا ہے اور ہر کوئی اپنی شریعت جاری کیے ہوئے ہے) تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ شیطان کی طرف سے ہے؟

آپ کے دعویٰ کے مطابق اسلامی شریعت ایک ہے، مگر پھر بھی آپ اپنے حامیوں کے اندر پائے جانے والے اختلافات کو شیطان کی طرف سے نہیں مانتے، تو یہ بتائیں کہ اس دوغلی پالیسی (ڈبل سٹنڈرڈ) کی وجہ کیا ہے؟

اصل میں باقر صاحب ان میں پائے جانے والے اختلافات سے بہت اچھی طرح واقف ہیں مگر اس کا دفاع کرنے کے لیے اپنی کتاب میں ذیل کی حدیث کا سہارا لے رہے ہیں:

الکافی، کتاب العقل، باب 22، حدیث 7:

ایک شخص نے امامِ زمانہ (ع) سے دریافت کیا: "اگر میرے دو دینی بھائی مجھے آپ کی دو ایسی احادیث دیں کہ جن میں اختلاف ہو تو اس صورت میں میں کیا کروں؟ امام (ع) اس شخص کو اپنی توقیع مبارک (خط) میں جواب دیتے ہیں: "ان میں سے کسی بھی ایک حدیث پر عمل کر لو اس نیت کے ساتھ کہ یہ اس کا قول ہے کہ جس کی اطاعت فرض ہے۔ اور اس نیت سے اس پر عمل نہ کرنا کہ ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہے۔"

بدقسمتی سے یہ حضرات صرف ایک حدیث کو لے لیتے ہیں (جس کو توڑ مروڑ کر یہ اپنے عقائد کے دفاع کے لیے استعمال کر سکتے ہوں) اور باقی بے تحاشہ احادیث کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ ان کی خواہشات کے بالکل خلاف ہیں۔ ہم آگے چل کر ان کچھ احادیث کو نقل کریں گے جسے یہ نظر انداز کر رہے ہیں اور ساتھ میں ان کے آپس کے اختلافات کے چند نمونے بھی پیش کریں گے (انشاء اللہ)۔

اللھم صلی علی محمد وآل محمد۔

باب 5: اجتہاد، قیاس، ظن اور دین میں عقل کے استعمال سے متعلق سوالات

اجتہاد کی آسان تعریف یہ ہے کہ فقہی مسائل کے متعلق قران و سنت کی روشنی میں اسلامی احکامات معلوم کرنا۔ مثلاً:

1) بہت ساری ایسی احادیث ہیں جو کہتی ہیں کہ ایک کنواری لڑکی کے ساتھ متعہ نہیں ہو سکتا۔

2) مگر بہت سی ایسی احادیث بھی ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ کنواری لڑکی کے ساتھ بھی متعہ کیا جا سکتا ہے۔

3) اور آخر میں احادیث کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتی ہیں کہ کنواری کے ساتھ متعہ کیا جا سکتا ہے، مگر یہ مکروہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو احادیث اس کی ممانعت کر رہی ہیں وہ اسے مطلقاً حرام نہیں ٹھہرا رہی ہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ اس کو شیعہ فقہ میں "الجمع العرفی" کہا جاتا ہے یعنی متضاد نظر آنے والی احادیث سے اس طرح نتیجہ اخذ کرنا کہ جو کہ عقل اور فہم کے مطابق نظر آئے۔ اس کی تعلیم ائمہ معصومین (ع) نے خود دی ہے اور آپ کو یہ روایت الکافی کی پہلی جلد میں مل جائے گی۔

مراجع کرام فقہی مسائل کے متعلق اسلامی احکامات ان تمام مراحل سے گذر جانے کے بعد معلوم کرتے ہیں جو کہ ائمہ معصومین (ع) نے بتائے ہیں اور اس کو عرفِ عام میں اجتہاد (یا فتویٰ دینا) کہا جاتا ہے۔

فقہی مسائل کی 2 اقسام

عام طور پر ہمیں عام زندگی میں 2 طرح کے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔

1) پہلی قسم: کچھ ایسے مسائل ہیں کہ جن کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں ہمارے پاس قران یا حدیث میں واضح "نصوص" موجود ہوتی ہے جیسا کہ کنواری لڑکی سے متعہ کا مسئلہ۔ اس مسئلہ میں مراجع کرام مختلف متضاد نظر آنے والی احادیث کو ائمہ معصومین (ع) کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پرکھنے کے بعد حکم معلوم کرتے ہیں اور پھر فتویٰ دیتے ہیں۔

2) دوسری قسم: اور کچھ مسائل ایسے ہیں کہ جن کے متعلق ہمارے پاس کوئی ڈائریکٹ حکم موجود نہیں ہے۔ مثلاً آجکل کے دور میں پیش آنے والے جدید مسائل جیسے زندگی بچانے کی خاطر انسانی اعضاء کی ٹرانسپلانٹیشن (Transplantation)۔

اخباری حضرات خاص طور پر اس دوسری قسم کے مسائل (کہ جن کے بارے میں کوئی ڈائریکٹ حکم موجود نہیں) کے بارے میں حکم معلوم کرنے کو "قیاس" کا نام دیتے ہیں۔

کیا نئے پیش آنے والے مسائل کے متعلق "عقل" استعمال کر کے حکم معلوم کرنا واقعی "حرام قیاس" ہے؟

باقر صاحب اور ان کے حامیوں کے نزدیک یہ حرام ہے کہ ایسے نئے پیش آنے والے مسائل کے متعلق حکم معلوم کیا جائے۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ دین میں "عقل" استعمال کر کے "قیاس" کرنا ہے اور یہ دونوں چیزیں ان کے مطابق مطلقاً حرام ہیں۔ (توجہ فرمائیں کہ اہلحدیث حضرات، جنہیں پاکستان میں وہابی کہا جاتا ہے، وہ بھی دین میں "عقل" کے استعمال کے مطلقاً خلاف ہیں)۔

اس کے برعکس، اصولی علماء کے نزدیک دین میں "عقل" کا استعمال مطلقاً حرام نہیں ہے اور ائمہ معصومین (ع) نے قران اور سنت کی روشنی میں عقل استعمال کرتے ہوئے فقہی احکامات معلوم کرنے کا خود حکم دیا ہے۔ معصومین (ع) نے صرف قران اور سنت سے بالاتر ہو کر یا انہیں نظرانداز کر کے صرف اپنی عقل سے فقہی احکامات معلوم کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ مگر باقر صاحب اور ان کے حامی حضرات اس فرق کو مدِ نظر نہیں رکھتے اور عقل کے استعمال کو قیاس مانتے ہیں اور مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔

محترم مومنین، دیکھیئے کہ ہمارے ائمہ معصومین (ع) نے خود یہ فرمایا ہے کہ انہوں نے قیامت تک پیش آنے والے ایسے مسائل، جن کی ہمیں ضرورت پڑ سکتی ہے، ہمیں بتائے بغیر نہیں چھوڑی ہے۔

الکافی، کتاب 178، باب 20، حدیث 1:

"راوی کہتا ہے کہ امام ابو عبداللہ (ع) فرماتے ہیں:

بے شک اللہ بزرگ و برتر ہر چیز تفصیلاً نازل فرمائی ہے اور باخدا، اس نے اپنے بندوں کے لیے کوئی بھی چیز (مسئلہ)، جس کی انہیں قیامت تک ضرورت پڑ سکتی ہے، بتائے بغیر نہیں چھوڑی ہے۔ اور اللہ نے یہ اس لیے کیا ہے کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر صرف فلاں فلاں چیز ہمیں قران میں مل سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے یہ سب کچھ قران میں بتا دیا ہے۔"

آیئے اب معصومین (ع) کی وہ احادیث دیکھتے ہیں جن میں وہ صاف طور پر حکم دے رہے ہیں کہ انہوں نے ہمیں چند بنیادی اصول ایسے دیے ہیں کہ جن کی بنیاد پر ہمیں عقل استعمال کر کے ان نئے پیش آنے والے مسائل کا حل معلوم کرنا ہے۔

سفینۃ البحار، ج 1، ص 22:

عَنْ كتابِ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي نَصْرٍ البيزَنْطِيِّ عَنِ الرِّضا عَلَيْهِ السَّلامُ: عَلَيْنا إِلْقاءُ الأُصولِ وَعَلَيْكُمُ التَّفْرِيعُ.

احمد ابن محمد ابن ابی نصر کی کتاب میں امام رضا (ع) سے منقول ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:

"ہم پر واجب ہے کہ تم پر (مسائل اور احکامِ الٰہی کے) اصول القاء کریں اور تم (پر واجب ہے کہ تم ان مسائل کی) شاخیں نکالو۔

اور عین الشیعہ میں امام الصادق (ع) کی یہ حدیث موجود ہے:

قالَ الصّادِقُ(ع): إِنَّما عَلَيْنا أَنْ نُلْقِيَ الأُصولَ وَعَلَيْكُمْ أَنْ تُفَرِّعُوا.

امام الصادق (ع) فرماتے ہیں: ہمارا کام ہے کہ تمہیں (مسائل واحکامِ الٰہی کے) اصول القاء کریں اور تم (پر واجب ہے کہ تم ان مسائل واحکام کی) شاخیں نکالو (تفریع کرو)۔

[محترم مومنین، توجہ فرمائیں کہ یہ وہ احادیث ہیں جو کہ "علم الاصول" کی بنیاد ہیں۔ مگر اخباری حضرات / باقر صاحب پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ دین میں اصولی علماء کی جانب سے صرف ایک بدعت ہے]

مثال کے طور پر ائمہ (ع) نے ایک اصول دیا ہے کہ نشہ حرام ہے۔ اب ہر وہ نئی چیز جو نشہ پیدا کر کے انسان کو ہوش و حواس سے بے خبر کر دے، وہ اس اصول کی بنیاد پر حرام ہوگی۔ مثلاً ہیروئن ایک بالکل نیا نشہ ہے اور یہ ائمہ (ع) کے زمانے میں نہیں پایا جاتا تھا۔ مگر اسے اسی اصول کی بنیاد پر حرام قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح سگریٹ کا مسئلہ ہے۔ یہ نشہ کے اصول کی بنیاد پر حرام نہیں قرار دی گئی کیونکہ نشہ کے اصول کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو کہ انسان کی عقل کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دے اور اسے یہ پتا نہ چل سکے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ مگر بہت سے مجتہدین کے نزدیک سگریٹ ایک اور اصول کے تحت حرام ٹھہرتی ہے۔ اور وہ اصول ہے "اصراف" (فضول خرچی) کا۔

اب صورتحال یہ ہے کہ ہمارے پاس کچھ متضاد نظر آنے والی احادیث ہیں:

1) احادیث کا ایک گروہ کہہ رہا ہے کہ دین کے ملاملات میں قران اور سنت کو نظرانداز کر کے عقل کا استعمال کرنا حرام ہے۔

2) اور احادیث کا دوسرا گروہ کہہ رہا ہے ائمہ معصومین (ع) نے کچھ مسائل کے بارے میں بنیادی اصول القاء کر دیے ہیں اور اب یہ ہم پر

فرض ہے کہ "عقل" استعمال کرتے ہوئے ان کی شاخیں نکالیں اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کا یوں قران اور سنت کی روشنی میں حل معلوم کریں۔

اب اصولی علماء ایک اصولِ فقہ استعمال کرتے ہیں جسے "الجمع العرفی" کہتے ہیں۔ یعنی متضاد نظر آنے والی احادیث سے ایسا نتیجہ نکالنا جوکہ عقل و خرد کے مطابق ہو۔

چنانچہ اصولی علماء اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

1) یہ حرام ہے کہ عقل کا آزادانہ (قران و سنت کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے) استعمال کیا جائے۔ جیساکہ سنی مذہب میں امام ابو حنیفہ اپنی ذاتی رائے سے فتوے جاری کر دیتے تھے۔ عقل کا یہ آزادانہ استعمال ائمہ (ع) کے اقوال کے مطابق مطلقاً حرام ہے۔

2) مگر اس بات کی مکمل اجازت ہے (بلکہ حکم ہے) کہ معصومین (ع) کے دیے ہوئے اصولوں کے مطابق، عقل استعمال کرتے ہوئے نئے پیش آنے والے مسائل کا حل معلوم کیا جائے۔

مگر اخباری حضرات / باقر صاحب میں "ظاہر پرستی" کی وہی بیماری پائی جاتی ہے جوکہ اہلحدیث / وہابی حضرات کا شیوہ ہے۔ یہ اخباری حضرات ان احادیث کے صرف ظاہری معنوں کو لے رہے ہیں جوکہ ذاتی رائے کی بنیاد پر قیاس کرنے کو حرام قرار دے رہی ہیں۔

اور توجہ فرمائیں کہ جب یہ وہابی حضرات اپنی ظاہر پرستی کے باعث قران میں تضادات دیکھتے ہیں تو آپ کو پتا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ اس صورت میں وہ پوری کوشش کرتے ہیں کہ قران کے اس حصے کو چھپا لیں یا پھر اس کی ایسی تفسیر کریں کہ جس سے اس قرانی آیت میں شبہات پیدا ہو جائیں۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ وہابی حضرات اور باقر صاحب کی اپروچ میں کتنی مماثلت پائی جاتی ہے۔

باقر صاحب کا غلط ترجمہ + فریب کاری + غلط بیانی

باقر صاحب نی ناقابلِ یقین طریقہ اختیار کیے ہیں تاکہ ان احادیث کو جھوٹ اور اصولی علماء کی اپنی طرف سے گھڑی ہوئی احادیث ثابت کر سکیں۔ اور یہ نہایت افسوسناک صورتحال ہے۔

باقر صاحب یہ حدیث اپنی کتاب "کشف الحقائق" کے صفحہ 252 پر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تیسری دلیل

حائری صاحب بغیر کسی حوالے کے حدیث نقل کرتے ہیں کہ ائمہ اطہار (ع) نے فرمایا:

"علینا القاء الاصول و علیکم التفریع"

ترجمہ:

"تمام معصومین (ع) نے فرمایا ہم پر واجب ہے تمہیں مسائلِ احکام الٰہی کے اصول القاء کریں اور تم پر واجب ہے کہ تم ان مسائل واحکام کے اصول کی تفریع کرو۔" (شاخیں نکالو)

یہاں بھی ائمہ معصومین کے نام پر فریب دیا گیا ہے۔

اول یہ کہ آج تک کوئی محدث نہیں گذرا جو تمام ائمہ معصومین (ع) کے زمانوں میں موجود رہ کر تمام ائمہ (ع) کی طرف سے حدیث نقل کر سکتا ہو۔ صرف یہی بات اس حدیث کے اعتبار کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔

دوم یہ کہ اس موضوع حدیث میں نہ لفظ اجتہاد ہے، نہ استنباط، نہ تقلید، لہذا مدعی کا کوئی بھی مقصد اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

سوم یہ کہ اس حدیث میں کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں ہے کہ معصومین (ع) نے صرف مجتہدین کو مخاطب کیا ہے۔ اس حدیث میں ائمہ معصومین کی طرف سے ہم اور تمام انسانوں کے لئے لفظ "تم" استعمال ہوا ہے اس لئے اس کے مخاطب سوائے ائمہ (ع) اطہار کے تمام انسان ہیں اور ہر شخص پر تفریع لازم کی گئی ہے، نہ کہ صرف مجتہدین پر۔

چہارم یہ کہ اصول القاء کرنے کی ذمہ داری ائمہ معصومین (ع) نے بقول مجتہدین کے لے ہی لی تھی تو وہ ہمیں بتائیں کہ یہ ذمہ داری معصومین (ع) نے کبھی پوری بھی کی یا نہیں؟ اور اگر پوری کی تو کس کس مجتہد پر کون کون سے اصول القاء کیے؟ اور کب؟ اور وہ اصول ہیں کیا؟

اس سے زیادہ سینہ زوری اور کیا ہوگی کہ اصول فقہ آپ نے غیروں سے لئے اور انہی اصولوں پر اجتہاد کی پوری عمارت کھڑی کی اور آڑ لے رہے ہیں معصومین (ع) کی ایک وضعی حدیث کے ذریعے ان پر بہتان باندھ کر۔

پنجم یہ کہ اس حدیث میں مدت نہیں بیان کی گئی کہ ائمہ (ع) کب تک اصول القاء کریں گے اور کب سے بائیکاٹ شروع کر دیں گے۔ نہ اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ غیبت کے دوران یہ سلسلہ القاء منقطع ہو جائے گا اس لئے کہ القاء کے لئے ظہور شرطِ لازمی نہی ہے کیون کہ القاء صرف کانوں پر ہی نہیں ہوتا، بلکہ دل پر بھی ہوتا ہے اور دل بھی وہ جو ساری دنیا سے بے نیاز ہوکر صرف معصومؑ کی طرف متوجہ ہو۔ ایسے دلوں پر القاء کیسے ہو سکتا ہے جن میں مخالفینِ آلِ محمد کے اصول بھرے ہوئے ہوں۔ لہذا اس حدیث کی رو سے اگر آج بھی القاء ہورہا ہے تو کس پر؟ کون سے طریقے سے اور کس جگہ؟ ان کے دعوے کی تردید کے لئے خود ان کا آپس کا اختلاف ہی کافی ہے۔ اس لئے کہ یہ محال ہے کہ معصوم (ع) ایک مجتہد پر ایک بات القاء کرے اور دوسرے پر اس سے بالکل مختلف بات القاء کر دے۔ نہ تو معصومؑ ان کے باہمی اختلافات میں حصہ دار بن سکتے ہیں اور نہ ہی (معاذ اللہ) معصومؑ کا کام مرغے لڑانا ہے۔

ششم یہ کہ اگر ائمہ (ع) اصول القاء کر سکتے ہیں تو تفریع بھی کر سکتے ہیں۔ مجتہد صاحبان ہمیں بتائیں کہ کون سی چیز انہیں تفریع کرنے سے مانع ہے؟ کیا وقت کی کمی؟ ایسا نہیں ہے کیونکہ معصومین (ع) کا زمانہ تقریباً سوا تین سو برس پر محیط ہے۔ کیا اتنا لمبا عرصہ تفریع کے لئے کم ہے؟ نیز آخر وہ ہے کون جس پر انہوں نے تفریع کے اصول بیان کئے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تفریع ہے کس چیز کا نام جسے معصومؑ نے تمام انسانوں (یا بقول ان کے چند مخصوص لوگوں) کی ناقص سطح عقلی کے حوالے کر دیا؟

ان تمام امور سے ثابت ہوگیا کہ یہ جعلی حدیث محض ایک فریب ہے جو معصومؑ کے نام پر لوگوں کو دیا جا رہا ہے۔

باقر صاحب اپنا قیاس (+ غلط ترجمہ + فریب کاری + غلط بیانی) استعمال کر رہے ہیں تاکہ ثابت کریں کہ یہ احادیث لوگوں نے خود گھڑی ہیں:

1) صفحہ 252 پر باقر صاحب یہ حدیث علامہ حائری کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد یہ شکایت کر رہے ہیں علامہ حائری نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ تو باقر صاحب کی خدمت میں عرض ہے:

1. آپ کیسے حوالے کا مطالبہ کر سکتے ہیں جبکہ آپ کے نزدیک تو امام کی حدیث چاہے ہندو، عیسائی، ناصبی یا چاہے کسی کے ذریعے پہنچے، اُسے آنکھیں بند کر کے بغیر علم الرجال کی کسوٹی پر پرکھے قبول کر لو۔ تو پھر یہاں حوالے کے تقاضے کا یہ ڈبل سٹینڈرڈ چہ معنی است؟
2. دوم ہم نے اوپر اس حدیث کے دو حوالے کتاب سفینۃ النجات اور عین الشیعہ سے امام رضاؑ اور امام الصادقؑ سے نقل کر دیے ہیں۔ لگائیے اب بھی اس حدیث کا گھڑا ہونے کی رٹ اور دیجیئے مجتہدین کو اس حدیث کے گھڑنے کا الزام۔

2) باقر صاحب کی طرف سے غلط ترجمہ:

قالَ الصّادِقُ(ع): إنَّما عَلَيْنا أنْ نُلقِيَ الأُصولَ وَعَلَيْكُمْ أنْ تُفَرِّعُوا.

باقر صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

"تمام معصومین (ع) نے فرمایا ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ تمہیں مسائل و احکامِ الہی کے اصول القاء کریں اور تم پر واجب ہے کہ تم ان مسائل و احکام کے اصول کی تفریع کرو

توجہ فرمائیں کہ باقر صاحب نے یہ الفاظ "تمام معصومین نے فرمایا ہے" پتا نہیں کس چیز کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ الفاظ ہرگز اس حدیث کے اصل متن میں موجود نہیں ہیں، بلکہ یہ باقر صاحب کی طرف سے خود کیا ہوا اضافہ ہے۔

باقر صاحب اپنے قیاس کی پوری عمارت ان اضافی الفاظ "*تمام معصومین نے فرمایا ہے*" پر کھڑی کر رہے ہیں ناقابلِ یقین!

باقر صاحب پھر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی اور لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ اور ثبوت کے طور پر اس کی مندرجہ ذیل وجہ بیان کر رہے ہیں۔

"اول یہ کہ آج تک ایسا کوئی محدث نہیں گذرا، جو تمام ائمہ معصومین کے زمانوں میں موجود رہ کر تمام ائمہ کے

طرف سے یہ حدیث نقل کر سکتا ہو۔ صرف یہی ایک بات اس حدیث کے اعتبار کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔"

کیا ہمیں واقعی کوئی ضرورت ہے کہ باقر صاحب کے اس عجیب و غریب استدلال پر مزید کوئی تبصرہ کریں؟

3) باقر صاحب کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس حدیث سے کسی قسم کا اجتہاد ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ:

"دوم یہ کہ اس موضوعی (گھڑی ہوء) حدیث میں نہ لفظ اجتہاد ہے، نہ استنباط۔ نہ تقلید۔ لہٰذا مدعی کا کوئی بھی مقصد اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔"

ایک طرف تو باقر صاحب اسے موضوع (یعنی گھڑی ہوئی جھوٹی حدیث) قرار دے رہے ہیں اور دوسری طرف ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں انہیں اجتہاد کا لفظ نظر نہیں آرہا۔

تو جواباً عرض ہے کہ ظاہر پرستی کی بھی حد ہوتی ہے۔ معصومین (ع) حکم دے رہے ہیں کہ پہلے تو ہمیں اتنا باعلم ہونا چاہیے کہ ہمیں ان اصولوں کا علم ہو۔ اور پھر ہم "عقل" استعمال کر کے ان اصولوں کی بنیاد پر کسی مسئلہ کی فروعی شاخیں نکالیں (یعنی ایسے نئے مسائل، جو ان اصولوں کی زد میں آتے ہوں، ان پر "عقل" کا استعمال کرتے ہوئے ان اصولوں کا اطلاق کریں۔ اگر باقر صاحب اب بھی اپنی ظاہر پرستی کی اس بیماری سے نہیں نکلتے تو ہماری دعا تو یہی ہے کہ اللہ ان کی ہدایت فرمائے اور ان تمام لوگوں کی بھی جو کہ ان کی وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں۔ اٰمین۔

اس کے بعد باقر صاحب ایسے اور بہت سے بہانے بنا رہے ہیں تاکہ اس حدیث کو جھوٹا ثابت کر سکیں۔ لیکن یہ ایسے بہانے ہیں کہ ہم ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ مزید اس پر تبصرہ کریں (اوپر ہم نے باقر صاحب کے وہ تمام دلائل نقل کر دیے ہیں جو انہوں نے ان دو احادیثِ معصومین (ع) کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے دیے ہیں۔ پڑھنے والے انہیں پڑھ کر خود ہی انصاف کر سکتے ہیں)۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم محترم مومنین کی خدمت میں ایسے واقعات نقل کر دیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ معصومین (ع) کے اصحاب نے یہ بنیادی اصول کا اطلاق ثانوی مسائل پر کیا ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر ہم ایسے دو واقعات "محمد ابراہیم جلنتی قبلہ" کی کتاب

Ijtehaad: Its Meaning, Sources, Beginnings and the Practice of Ra'y

سے نقل کرتے ہیں:

1) یونس ابن عبدالرحمن امام الرضا کے شاگرد تھے اور آپ نے "اصول فقہ" پر ایک مختصر کتابچہ لکھا ہے۔

2) الفضل ابن النیشاپوری امام ہادی (ع) کے شاگرد تھے۔ آپ نے اصولِ فقہ کی بنیاد پر کئی فتوے دیے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے ایک فتوی دیا ہے کہ غصب شدہ جگہ پر اگر نماز ادا کی جائے تو ایسی نماز باطل نہیں ہوگی اور انہوں نے یہ فتوی امر اور نہی کے اصول کی بنیاد پر دیا ہے۔

آخر میں ہم کہنا چاہتے ہیں کہ یہ بہت بدقسمتی کی بات ہے کہ باقر صاحب اور ان کے حامی حضرات ایسے فریبی اور غلط طریقے استعمال کر کے معصومین (ع) کی احادیث کو جھٹلانا چاہتے ہیں۔ ائمہ (ع) نے کبھی ہمیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ ہم کسی حدیث کا انکار کرنے کے لیے اس میں خود سے الفاظ کا اضافہ کر لیں، یا غلط ترجمہ کر کے اس میں تحریف وغیرہ کریں۔

ہم ان تمام چیزوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اٰمین۔

"ظن" اور باقر صاحب کے علامہ حلی پر اس حوالے سے اعتراضات

علامہ حلی (متوفی 726) نے اجتہاد کی ایک تعریف دی تھی، جس میں انہوں نے "ظن" کا لفظ محاورتاً استعمال کیا تھا۔ مگر باقر صاحب بجائے اس کے روحانی معنی سمجھنے کے، انہوں نے اسے "ظاہری" معنوں میں لے لیا ہے۔ اور اب یہ اصولی علماء کو اس جرم پر تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں کہ جو انہوں نے کبھی کیا ہی نہیں ہے۔

علامہ حلی نے اجتہاد کی تعریف کچھ یوں دی تھی:

> "اجتہاد کا مطلب ہے کہ اپنی کوششوں سے شریعت کے حکم کے بارے میں اس ظن تک پہنچا جائے کہ جو نتیجہ اخذ کیا جا رہا ہے، وہ بالکل صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی گئی ہے۔"

اب قران اور حدیث میں "ظن" کا لفظ کفار کے لیے ان معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے کہ جب وہ حق کو صرف اپنے اس ظن کی بنیاد پر رد کر دیتے تھے، کہ ان کے باپ داداؤں کا راستہ ٹھیک ہے۔

مگر کفار کے اس ظن میں اور علامہ حلی کے اجتہاد کے ضمن میں ظن کے لفظی استعمال میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ مگر "ظاہر پرستی" کی بیماری میں مبتلا یہ لوگ اس فرق کو سمجھے بغیر بس اس بات پر تیار بیٹھے ہیں کہ علماء پر سب و شتم کرنے کا ان کے پاس بس کوئی موقع ہاتھ آئے۔

اجتہاد، جو کہ مراجع کرام کرتے ہیں، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی بھی شرعی حکم کے متعلق قران و سنت سے "حجت / ثبوت" اکھٹے کیے

جائیں اور ان سے ائمہ (ع) کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نتیجہ اخذ کیا جائے۔ اور اس کے باوجود بھی اگر مراجع کرام مختلف نتائج پر پہنچتے ہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ (یاد کریں معصوم (ع) کی وہ حدیث جس میں آپ نے خود فرما دیا ہے کہ دو فقہاء کے فیصلوں میں فرق ہو سکتا ہے اور اس صورت میں ہمیں اُس فقیہ کا فیصلہ ماننا ہے جو علم اور تقویٰ میں زیادہ ہے)۔

چونکہ اخباری حضرات اس اہلیت سے عاری ہیں کہ وہ ظاہری معنی اور روحانی معنوں میں فرق کر سکیں، لہذا ہم ان کے لیے چیزوں کو آسان بناتے ہیں تاکہ وہ اجتہاد کے روحانی معنوں کو سمجھ سکیں:

ایک آسان تعریف:

علامہ حلی کی تعریف میں سے ظن کا لفظ نکال کر آپ حجت/نصوص کا لفظ داخل کر لیں، یعنی اجتہاد کا مطلب ہے کہ تمام کوششیں بروئے کار لا کر کسی بھی شرعی حکم کے متعلق وہ تمام حجتیں اکھٹی کرنا، جو کہ قران و حدیث میں اس مسئے کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ اور پھر ان حجتوں کی بنیاد پر شرعی حکم کے متعلق کسی فیصلے پر پہنچنا۔

اگر اب بھی ان لوگوں کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو رہا ہے، تو آیئے اس کو اور آسان بناتے ہیں۔

آسان ترین تعریف جو کہ ہم دے سکتے ہیں:

اجتہاد کا مطلب ہے کہ معصومین (ع) کی ان تمام ہدایات پر عمل کرنا جس کا انہوں نے حکم دیا ہے کہ اگر ہمیں کسی شرعی مسئلہ کا حکم معلوم کرنا ہو تو ہمیں کن کن مراحل سے گذرنا ہو گا۔ اور یہ وہی طریقہ ہے جس پر فقہاء ائمہ معصومین (ع) کی زندگیوں میں عمل کیا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ عمر ابن حنظلہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ کبھی کبھار وہ شرعی حکم کے متعلق مختلف فیصلے بھی کر جایا کرتے تھے۔

اگر باقر صاحب/اخباری حضرات اب بھی اس چیز کا فرق نہیں سمجھ پائے کہ کیا چیز محاورتاً استعال کی گئی ہے اور علمی زندگی میں اس سے کیا مراد لی جاتی ہے، تو ہم صرف اللہ سے ان کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ یا الہی،

دے اور دل انکو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

باقر صاحب اور ان کے حامیوں کے "قیاس استعال کرنے کی کچھ مثالیں

قیاس کا استعال ہمارے فقہ میں سختی سے منع ہے اور اس کا مطلب ہے کہ فقہی مسائل کا حل قران اور سنت کو یکسر نظرانداز کر کے صرف

اپنی عقل اور ذاتی رائے استعمال کرتے ہوئے معلوم کرنا ہے۔

باقر صاحب / اخباری حضرات بہت بڑھ چڑھ کر اصولی علماء پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ قیاس پر عمل کرتے ہیں (حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے، مگر یہ حضرات اپنی ظاہر پرستی کی بیماری کی وجہ سے اس حرام قیاس کو اِس سے الگ نہیں کر پا رہے ہیں کہ ائمہ (ع) کے دیے ہوئے اصولوں کا اطلاق نئے پیش آنے والے مسائل پر کریں)۔ مگر یہ حضرات اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے جہاں ان کو حرام قیاس کے استعمال کی کئی مثالیں نظر آجائیں گی۔

محترم مومنین، یہ یاد رکھیئے کہ اس قیاس کا استعمال انسان کرتا ہی اُس وقت ہے جب قران و سنت اس کی ذاتی خواہشات کے خلاف جا رہے ہوں اور اسے دین کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرنا ہو۔ اور بیشتر ملنگ حضرات مراجع کرام کی مخالفت کرتے ہی اس لیے ہیں کیونکہ وہ انہیں شریعت میں اپنی خواہشات کے مطابق تبدیلیاں نہیں کرنے دیتے۔ آیئے اب اس علماء مخالف گروہ کی طرف سے کیے گئے کچھ قیاسات دیکھتے ہیں۔

"تشہد" میں "علیا ولی اللہ" کی شہادت اور باقر نثار زیدی صاحب

باقر صاحب یہ ثابت کرنے کے لیے کہ "تشہد" میں "علیا ولی اللہ" کی تیسری شہادت دینا لازمی ہے، قران کی مندرجہ ذیل آیات استعمال کر رہے ہیں:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ

وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ

أُولَئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ

[القران سورہ 70، آیات 32 تا 35] اور جو لوگ اپنی اور اپنے قول و اقرار کا پاس رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔

باقر صاحب نے یہ آیات کشف الحقائق کے صفحہ 177 پر نقل کر کے دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیات یہ واجب قرار دے رہی ہیں کہ تشہد میں "علیا

ولی اللہ "کی تیسری شہادت دی جائے۔

مگر باقر صاحب اور دیگر تمام ملنگ حضرات کا یہ دعویٰ صرف اور صرف ان کے "قیاس" پر مبنی ہے اور "تفسیر بالرائے" کی ایک بہت واضح مثال ہے۔ یاد رکھیئے کہ "تفسیر بالرائے" کو ائمہ (ع) نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

پہلا: یہ آیات پڑھنے کے بعد یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ اوپر کی آیات میں "شہاداتھم" کا لفظ یہ اشارہ کر رہا ہو کہ "تشہد" کے دوران 3 شہادتیں دی جائیں۔

دوسرا: اور ہمیں یہ بھی سمجھ نہیں آتی کہ ان حضرات نے شہاداتھم کو صرف 3 شہادتوں تک ہی کیوں محدود کر دیا؟ یہ 3 سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں یا پھر اللہ نے ان حضرات کو خواب میں آکر بتایا ہے کہ اس سے مراد صرف 3 شہادتیں ہیں؟

مثال کے طور پر اللہ نے مومن کی پہچان یہ بتائی ہے کہ وہ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اس کی شہادت دیتا ہے۔ اسی طرح وہ اللہ کے نبیوں کی، ملائکہ (فرشتوں) کی، روزِ قیامت کی، اور ان کتب کی جو پہلے نازل ہو چکی ہیں، ان سب کی شہادت دیتا ہے۔ لہٰذا یہ حضرات پھر تشہد میں تیسری شہادت کو صرف "علیا ولی اللہ" تک کیوں محدود کر رہے ہیں؟ بلکہ انہیں ماننا چاہیے کہ جو جو تشہد میں روزِ قیامت و ملائکہ و کتب کی شہادت نہیں دیتا، اسکی نماز بھی باطل ہے۔

تیسرا: باقر صاحب اور دوسرے ملنگ حضرات کیوں تفسیر بالرائے کر رہے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ ائمہ (ع) کی کوئی حدیث پیش کریں جس میں معصومین (ع) نے فرمایا ہو کہ شہاداتھم سے مراد صرف یہ ہے کہ تشہد میں "علیا ولی اللہ" کی شہادت دی جائے۔

ہماری مؤدبانہ گذارش یہی ہے کہ باقر صاحب اور یہ ملنگ حضرات اپنے رویئے پر نظرِ ثانی فرمائیں اور دین میں اپنی من پسند تبدیلیاں لانے کے لیے اس تفسیر بالرائے سے اجتناب کریں۔

حسین افضل یا نماز افضل؟

ایک اور سوال جو بہت شدت سے یہ ملنگ طبقے اٹھاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ "حسین افضل یا نماز"۔ خصوصاً محرم الحرام کے دوران یہ سوال بہت اٹھتا ہے اور لوگوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مجالسِ عزا میں شرکت کرنا اس سے بہتر ہے کہ نماز ادا کی جائے۔

اور ثبوت کے طور یہ حضرات وہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (ص) سجدہ کے حالت میں تھے اور حسین (ع) ان کی پشت پر سوار ہو گئے اور اس پر رسول اللہ (ص) نے اپنے سجدہ کو طُول عطا فرما دیا۔

جواب: ہم بھلا کیسے حسین (ع) کا مقابلہ نماز سے کر سکتے ہیں جبکہ:

1. حسین (ع) "اصولِ دین" ہے اور

2. نماز صرف اور صرف "فروعِ دین"۔

اور یاد کریں وہ واقعہ جب رسول اللہ (ص) نے ایک صحابی کو آواز دی کہ جبکہ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ چنانچہ اس صحابی نے رسول کی پکار کا جواب نہ دیا اور صرف نماز ختم کرنے کے بعد آپ (ص) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اس لیے پکار کا جواب نہ دے سکا۔ اس پر رسول (ص) نے اس سے کہا کہ تمہیں یہ نماز کس نے سکھائی؟

نتیجہ یہ ہے کہ جب اصولِ دین تمہیں بلائے، تو تم اپنی نماز توڑ دو۔

مگر یہ ملنگ حضرات یہ غلطی کر رہے ہیں کہ یہ "حسین (ع) بمقابلہ نماز" کے سوال کی علت لے رہے ہیں اور اس علت کو "مجلسِ حسین بمقابلہ نماز" کے سوال پر چپاں کر رہے ہیں۔ (اسی طرح ماتمِ حسین بمقابلہ ناز کا مسئلہ بھی ہے)۔

برادرانِ گرامی، ملنگ حضرات کا یہ فعل قیاس بالرائے ہے اور حرام ہے۔ باقر صاحب نے اصولی علماء پر تنقید کرتے ہوئے قیاس کی یہ تعریف نقل کی ہے کہ "ایک مسئلہ کی علت لیکر اسے دوسرے مسئلہ پر منطبق کر دیا جائے"۔ یہ حضرات یہ ثابت کرتے ہیں کہ حسین نماز سے افضل ہیں۔ مگر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ مجلسِ حسین بھی نماز سے افضل ہے، یہ قیاس کا سہارا لے رہے ہیں۔

اور ہم ان ملنگ مومنین سے مطالبہ کرتے ہیں کہ بجائے اپنے قیاس بالرائے کے، وہ ہمیں معصومین (ع) کی کوئی حدیث دکھائیں جس میں انہوں نے ہمیں حکم دیا ہو کہ ہم مجلسِ حسین کے لیے اپنی نمازیں چھوڑ دیا کریں۔

ملنگ حضرات کا دعویٰ کہ مجلسِ حسین نماز سے افضل ہے کیونکہ اس کی قضا نہیں

ایک دوسرا قیاس جو ملنگ حضرات اس مسئلہ پر لیکر آتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مجلسِ حسین افضل ہے کیونکہ اس کی کوئی قضا نہیں ہے جبکہ نماز کی قضا ہے۔

یہ بیماری اب اتنی پھیل گئی ہے کہ پاکستانی اور انڈین شاعر حضرات آجکل ایسی منقبتیں لکھ رہے ہیں جن میں اس قضا کے لامیئے کو بنیاد بنا کر مجلس کو نماز سے افضل ثابت کیا جا رہا ہے۔ اور بد قسمتی سے یہ منقبتیں منبرِ نبوی سے بر سرِ عام پڑھی جاتی ہیں۔

مگر ملنگ حضرات کو سمجھنا چاہیے کہ یہ دعویٰ قیاس کے سوا کچھ بھی نہیں اور یہ معصومین (ع) کی ہدایات کے براہِ راست مخالفت میں ہے۔

مجالسِ عزا کا منعقد کرنا بیشک واجب ہے تاکہ اسلام کا پیغام پھیلایا جا سکے، مگر یہ ان معنوں میں نہیں جس میں ملنگ حضرات نے اس کو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔

معصومین (ع) کی تمام احادیث اس پر متفق ہیں کہ "قضا" صرف ان چیزوں کی ہوتی ہیں جو کہ "واجب" ہیں۔ اور وہ تمام چیزیں جو واجب نہیں ہیں (بلکہ مستحب ہیں)، ان کی کوئی قضا نہیں ہے۔

اگر ہمارے ملنگ مومنین اس کو ابھی بھی نہیں مانتے تو ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ معصومین (ع) کی ایک حدیث ہی ایسی پیش کر دیں کہ جس میں انہوں نے مجلسِ حسین کو اس بنیاد پر افضل قرار دیا ہو کہ اس کی قضا نہیں ہے۔

اور اگر انہیں ایسی کوئی حدیث نہ ملے، تو یہ بات ان مومنین کو سمجھ لینی چاہیے کہ قضا کا یہ مسئلہ وہ صرف اپنے قیاس کی بنیاد پر اٹھا رہے ہیں جو کہ دینِ اہلبیت میں حرام ہے۔

شیعہ خواتین پر حجاب واجب نہیں ہے کیونکہ جنابِ زینب (ع) کا حجاب کربلا میں لٹ گیا تھا۔

پاکستان میں 60 سے لیکر 70 فیصد تک شیعہ بہنیں حجاب نہیں لیتی ہیں (خصوصاً بڑے شہروں میں)۔ اور جب انہیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے تو غصہ ہو جاتی ہیں۔

اور اب ہماری غیر مقلدین ملنگ بہنیں ایک اور بہانہ لیکر آئیں ہیں کہ وہ کسی مرجع وغیرہ کی تقلید نہیں کرتی ہیں۔ بلکہ اب تو مجالس میں یہ ملنگ ذاکرہ بہنیں منبرِ نبی سے یہ باتیں کر رہی ہیں کہ ان پر حجاب واجب نہیں رہا ہے کیونکہ جنابِ زینب (ع) کا حجاب کربلا کے سانحے میں لٹ گیا تھا۔

ہم تو بس یہ امید اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے مومنین مومنین و خواہران یہ بات سمجھ سکیں کہ اگر فتویٰ دینے کا حق علماء حضرات سے لیکر ہر کم علم اور جاہل شیعہ کو دے دیا جائے تو اس سے کیا کیا فتنے پیدا ہوں گے۔ ہمیں ہر دن نئے فتوے سننے کو ملیں گے اور دینِ اسلام کو اپنی خواہشات کے مطابق بدعات سے بھر دیا جائے گا۔

انقلابِ ایران کی برکت سے آج ہمارے درمیان بہت سے مراجع کرام موجود ہیں اور یہ اللہ کا ہم پر خاص فضل و کرم ہے۔ حیرت کی بات یہ

ہے کہ ان ملنگ مومنین کو ایک شدید اعتراض ان مراجع کرام کی بڑھتی ہوئی تعداد پر بھی ہے کیونکہ ان کے نزدیک جوں جوں انکی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا، اختلافات بڑھتے جائیں گے۔

مگر انہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ لاکھوں لوگوں کو خود سے اسلامی احکامات معلوم کرنے کا حق دے دیا جائے۔ اور اس کے نتیجہ میں جو اختلافات پیدا ہوں گے، اس سے یہ اپنی آنکھیں کسطرح بند کر کے بیٹھ سکتے ہیں؟

اللہ ہماری امت کو ہر ایسے شر سے محفوظ رکھے اور امامِ زمانہ کا ظہور جلد فرمائے۔ آمین۔

امام مہدی (ع) کی استغاثہ کی پکار اور نماز

آجکل ملنگ حضرات ایک اور سوال کو بہت اچھال رہے ہیں تاکہ نماز کی اہمیت کو ختم کر سکیں کہ جب امام مہدی (ع) تشریف لا کر استغاثہ کے لیے پکاریں گے اور ایسے میں نماز کا وقت ہو جائے تو کیا آپ لوگ پہلے نماز ادا کریں گے یا پھر امام کی مدد کو پہنچیں گے۔

برادرانِ گرامی قدر، آپ کو اوپر والی روایت یاد ہے ناکہ جب رسول (ص) نے صحابی کو آواز دی اور وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اس نے جواب نہیں دیا تھا۔

تو جناب عرض یہ ہے کہ ہمارے پاس اصول یہ ہے کہ جب اصولِ دین تمہیں پکارے تو فروعِ دین کو چھوڑ کر چلے آؤ۔ لیکن آپ حضرات کا امام مہدی (ع) کی پکار سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ جب بھی ذکرِ حسین یا ماتمِ حسین ہو رہا ہو، تو نماز توڑ کر چلے آؤ، یہ آپ کے قیاس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ (یعنی ذکرِ حسین اور چیز ہے، اور امام مہدی (علیہ السلام) کا ہمیں خود آواز دینا بالکل الگ چیز ہے۔ لہذا ایک ایسی مختلف چیز کی علت کو لیکر اسے دوسری مختلف چیز پر لاگو کر دینا جہالت ہے)۔

"امام کی ڈائریکٹ تقلید" کا نعرہ بمقابلہ خارجی نعرہ "لا حکم الا اللہ"

محترم مومنین، جوں جوں ان ملنگ حضرات کے اختلافات کھلتے جائیں گے، آپ کو پتا چلتا جائے گا کہ اس دلفریب و دلکش نعرے کے پیچھے سراب کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ خوارج یہ نعرہ لیکر نمودار ہوئے کہ "لا حکم الا اللہ ولوکرہ المشرکون" (حکم اللہ کے لیے مخصوص ہے، چاہے مشرکین کو ناگوار گذرے)"۔

ائمہ معصومین (ع) نے کبھی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ کم علم اور جاہل لوگ قرانی آیات اور احادیثِ معصومین (ع) سے خود فقہی احکامات اخذ کرتے پھریں۔ اور یاد رکھیئے،

1. اللہ نے ان ائمہ معصومین (ع) کے لیے فرمایا ہے کہ "فاسئلوا اہل ذکر" (پوچھ لو اہلِ ذکر سے اگر تم نہیں جانتے)۔ یعنی پوچھنے کا حکم معصومین (ع) سے ہے۔
2. مگر یہی ائمہ معصومین (ع) ہیں، جنہوں نے اپنے کم علم شیعوں کو حکم دیا تھا کہ اگر انکی رسائی ائمہ تک نہ ہو سکے، تو وہ ائمہ کے با علم اصحاب سے اپنے مسائل "پوچھیں"۔ (دیکھیے باب نمبر 3 میں دی گئی ابان بن تغلب اور علی ابن مسیب الهدانی کی اور دیگر احادیث)۔

تو پوچھنے کا یہ عمل دونوں میں ایک ہے۔ مگر یہ قرانی آیت اور احادیثِ معصومین (ع) ایک دوسرے کی متضاد نہیں ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر معصوم تک رسائی نہ ہو پائے تو وہ ائمہ کے باعلم اصحاب سے پوچھیں (نہ کہ اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق اپنی کم علمی کی وجہ سے الگ حل نکالتے پھریں)۔

3. اور ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ امام (ع) کی غیبت میں ہم ان کے فیصلوں / فتوؤں پر اس نیت سے عمل کریں کہ ائمہ (ع) نے انہیں ہم پر قاضی مقرر کیا ہے۔

4. اور یہی ائمہ معصومین (ع) ہیں جو اپنے باعلم اصحاب کو فتوے دینے کا حکم دیتے ہیں۔
5. اور اللہ نے معصومین (ع) کی تقلید اور اطاعت کا حکم دیا ہے۔ مگر یہی معصومین (ع) حکم دے رہے ہیں کہ ایسا فقیہ جس میں کچھ خصوصیات پائی جاتی ہوں، تو عوام پر ہے کہ اس کی تقلید کریں۔

ذرا سوچیئے، اگر فقہاء کی تقلید میں کوئی اختلاف پیدا ہوتا ہے تو خامی فقیہ کے علم یا سمجھ میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر آپ غیبتِ امام (ع) میں ائمہ معصومین (ع) کی ڈائریکٹ تقلید کا دعویٰ کریں اور پھر ایک دوسرے سے اختلاف کرتے پھریں، تو اس کا مطلب ہو جائے گا کہ (نعوذ باللہ) خامی ہمارے ائمہ معصومین میں پائی جاتی ہے۔ اگر اب بھی آپ غیبتِ امام (ع) کے زمانہ میں اس فریبی نعرے کے پیچھے بھاگنا چاہیں تو یہ آپ کی قسمت۔

اللھم صلی علی محمد وآل محمد۔

باب 6: کیا فقہاء کے لیے "عالم"، "امام"، "آیت اللہ"، "حجت الاسلام" جیسے خطابات استعمال کرنا حرام ہے؟

صفحہ 23 اور 25 پر باقر صاحب دعویٰ کر رہے ہیں کہ:

1. عالم کا خطاب صرف ائمہ معصومین کے لیے مخصوص ہے۔

2. اور جن جہلاء نے اپنے سر پر عالم ہونے کا تاج رکھ لیا ہے، وہ گناہگار ہیں۔ (جہلاء سے اِن کی مراد مجتہدین کرام ہیں۔ نعوذ باللہ)۔

باقر صاحب نے اس ضمن میں جو کچھ لکھا ہے، وہ بلا کسی کم وزیادتی کے ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں تاکہ قارئین اچھی طرح سے فریق مخالف کا موقف سمجھ کر انصاف کر سکیں۔ (انشاء اللہ)۔

باقر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"علم ایک صفت ہے جس کے معنی ہیں جاننا۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہ بات مسلماتِ عقلیہ میں سے ہے کہ اجتماع ضدین باطل ہے۔ دو متضاد چیزیں ایک جگہ اکھٹی نہیں ہو سکتیں۔ لہذا علم و جہل بھی کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتے۔ اگر آپ کسی کو عالم کہتے ہیں تو پھر اس میں سے ہر قسم کے جہل کی نفی کرنا پڑے گی۔ اگر علم کی کسی شاخ کا عالم کہتے ہیں مثلاً عالمِ دین۔ تو دین کے بارے میں ہر قسم جہل کی اس سے نفی کرنا پڑے گی۔ اب ہے کوئی جو دعویٰ کر سکے؟ یا پھر کسی کو حق ہے کہ وہ کسی کو عالم کہہ سکے؟ معصومین (ع) کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں وہ کسبِ علم کرتے ہیں۔ جتنا جتنا وہ علم کسب کرتے جاتے ہیں اتنی اتنی ان کی جہالت کم ہوتی رہتی ہے۔ اگر ایک دوسرے کی نسبت سے عالم کہا جائے تو پھر تو ہر شخص عالم ہے۔ اپنے بچے کے مقابلے میں میں عالم ہوں۔ میرے مقابلے میں کوئی اور عالم ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ اس لیے معصومین (ع) نے اس کی وضاحت کر دی ہے تاکہ جہلاء تاجِ علم اپنے سروں پر نہ سجا سکیں۔ میں اس وقت صرف دو احادیث پر اکتفا کر رہا ہوں جو سمجھنے والوں کے لیے کافی ہیں۔

پہلی حدیث اصولِ کافی۔ کتاب عقل، باب 4 سے لی گئی ہے۔ حدیث کا نمبر ہے 4۔ امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں "لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۔ عالم،

۔ متعلم،

۔ ہرزہ کار (بیہودہ کاموں میں مبتلا رہنے والے)

پس ہم عالم ہیں، ہمارے شیعہ متعلم اور باقی لوگ ہرزہ کار"

دوسری حدیث نہج البلاغہ صفحہ 850 قول 147 سے لی گئی ہے۔

امیرالمومنین (ع) کمیل سے فرماتے ہیں۔ "دیکھوتین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک عالم ربانی (یعنی امام)۔ دوسرا متعلم کہ جو نجات کی راہ پر برقرار رہے اور تیسرا عوام الناس کا وہ پست گروہ ہے کہ جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہولیتا ہے اور ہر ہوا کے رخ پر مڑجاتا ہے۔" (ختم الکلام)

محترم مومنین! قبل اس کے کہ ہم باقر صاحب کے اس دعویٰ پر مزید روشنی ڈالیں، بہت لازمی ہے کہ آپ سمجھیں کہ ظاہر پرستی کیا چیز ہے۔

ظاہر پرستی کی بیماری [باقر صاحب بمقابلہ وہابی حضرات]

محترم مومنین! وہابی حضرات کے متعلق آپ نے سنا ہو گا کہ وہ ظاہر پرستی کی بیماری میں مبتلا ہیں۔

مگر یہ دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے کہ باقر نثار زیدی صاحب اور اِن کے حوارین اس امئے میں کسی طرح بھی وہابی حضرات سے پیچھے نہیں ہیں۔

مومنین سے گذارش ہے کہ وہ دھیان دے کر تفصیل سے ظاہر پرستی کے اس مسئلے کو سمجھیں۔ یہ وہ مسئلہ ہے جسے ہتھیار بنا کر وہابی حضرات سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور اُن کی طرف سے شرک کے تمام تر فتویٰ اسی بیماری کی وجہ سے اٹھتے ہیں۔

کیا اللہ کے سوا کوئی ولی نہیں اور کیا وہ بطور ولی کافی ہے؟

اللہ قران میں فرماتا ہے:

لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلاَ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلاَ يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللّهِ وَلِيًّا وَلاَ نَصِيرًا

(القران 4:123) "جو برا کرے گا اسکی سزا پائے گا اور وہ کسی کو اللہ کے سوا کسی کو اپنا ولی اور مددگار نہیں پائے گا۔

اور دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے:

وَاللّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَى بِاللّهِ وَلِيًّا وَكَفَى بِاللّهِ نَصِيرًا

(القران 4:45) اور اللہ کو تمہارے دشمنوں کی مکمل خبر ہے اور وہ تمہارے لیے بطور ولی کافی ہے۔

مگر قران میں دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ ولی ہے، اور اس کے ساتھ اسکا رسول (ص) ہمارا ولی ہے اور وہ صالح مومنین ولی ہیں جو کہ حالتِ رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

(القران 5:55) اور تمہارا ولی تو بس اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو اپنی نمازیں قائم کرتے ہیں اور جو حالتِ رکوع میں زکوادا کرتے ہیں۔

وَمَن يَتَوَلَّ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ فَإِنَّ حِزْبَ اللّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ

(القران 5:56) اور جو کوئی اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ان مومنین کو اپنا ولی بناتا ہے، تو یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔

توکیا یہ اللہ کی ذات میں شرک کرنا ہے اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ کے سوا رسول (ص) اور کچھ مومنین بھی ہمارے ولی ہیں؟

اور اگر ہم یہ مان لیں کہ رسول (ص) اور یہ مومنین بھی ہمارے ولی ہیں تو کیا اس سے ہم یہ مراد لے سکتے ہیں کہ اللہ بطور ولی کافی نہیں ہے؟

اس سوال کا آسان جواب یہ ہے کہ وہابی حضرات کے عقیدے کے برخلاف پورا قران ظاہری نہیں ہے، بلکہ اس میں مجاز بھی ہے اور اس کی تفسیر کرتے ہوئے ہمیں اس ظاہر اور مجاز کا فرق سامنے رکھنا چاہیے۔

اصول: جب اللہ کہہ رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور ولی نہیں اور وہ بطور ولی کافی ہے، تو رسول اللہ (ص) اور یہ مومنین مجازی طور پر اس

ولایت میں پہلے سے ہی موجود ہیں۔

اللہ نے قرآن میں تقریباً 43 مرتبہ ولی کا لفظ اس معنوں میں استعمال کیا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور ولی نہیں۔ مگر اسی قرآن میں اللہ 4 مرتبہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ، اور کچھ مومنین اور جبرئیل (ع) اور کچھ فرشتے بھی ہمارے ولی ہیں۔ (دیکھیئے سورہ تحریم، آیت نمبر 4)

إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِير)

(القرآن 66:4) (اے نبی کی بیویو) اب تم توبہ کرو کہ تمہارے دل ٹیرھے ہو گئے ہیں ورنہ اگر تم اس (رسول) کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو یاد رکھو کہ اس (رسول) کا ولی اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور صالح مومنین اور فرشتے سب اس کے مددگار ہیں۔

اہلحدیث / وہابی حضرات کو آپ دیکھیں گے کہ وہ ہمیشہ صرف وہ آیات پیش کر رہے ہوں گے جس میں اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور ولی نہیں اور وہ بطور ولی کافی ہے۔ جبکہ وہ آیات جو کہ یہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ (ص) اور دوسرے مومنین اور ملائکہ بھی ہمارے ولی ہیں، وہ ان کو چھپا رہے ہوں گے۔ اسی لیے ہمارے امام علی (ع) کے "مولا" کہنے پر وہ ہمیں مشرک کہتے ہیں (حالانکہ یہ سنتِ رسول ہے اور آپ نے وادیِ غدیر میں خود علی (ع) کو مولا کہا ہے (من کنت مولاہ فھذا علیا مولا)۔

بدقسمتی سے عام مسلمان برادران کے پاس اتنا گہرا قرانی علم نہیں ہوتا کہ وہ اہلحدیث کے دعوؤں کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ اس لیے وہ ان کے پرپیگنڈہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ خیال کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ امام علی (ع) کو مولا کہنا شرک ہے۔

علماء کے متعلق وہ احادیث جو کہ باقر صاحب چھپا گئے ہیں یا نظر انداز کر گئے ہیں

اگر ہمارے محترم قارئین کو ظاہر پرستی کی یہ بیماری واضح ہو گئی ہو تو پھر ہم آگے چلتے ہیں اور آپ کو وہ احادیث دکھاتے ہیں جن میں ائمہ (ع) نے خود فقہاء کے لیے عالم کا لفظ استعمال کیا ہے۔

الکافی میں ہمارے پاس پوری ایک "کتاب" موجود ہے اس عنوان کے نام سے "کتاب الفضائل علم"۔ اس کتاب میں 22 ابواب ہیں اور اس میں بے تحاشہ ایسی احادیث ہیں جس میں معصومین (ع) نے خود فقہاء کو عالم کے نام سے پکارا ہے۔ آئیے ان میں صرف چند ایک احادیث دیکھتے ہیں۔

كتاب العلم، باب 2، حديث 8:

علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن ابن أبي عمير، ومحمد بن يحيى، عن أحمد ابن محمد، عن ابن أبي عمير، عن سيف بن عميرة، عن أبي حمزة، عن أبي جعفر عليه السلام قال:

عالم ينتفع بعلمه أفضل من سبعين ألف عابد.

امام ابو جعفر (ع) فرماتے ہیں: ایک عالم جو دوسروں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا ہے، وہ ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔"

کچھ ملنگ حضرات اس واضح حدیث میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس سے مراد فقہا نہیں ہیں بلکہ ائمہ ہی ہیں۔

توجواباً عرض ہے کہ یہ بہت نامعقول بہانہ ہے اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ (ع) صرف ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہیں؟

آئیے اب اگلی حدیث دیکھتے ہیں جو کہ ان شبہات کو انشاء اللہ بالکل ختم کر دے گی۔

كتاب فضل العلم، باب 2، حديث 9:

الحسين بن محمد، عن أحمد بن اسحاق، عن سعدان بن مسلم، عن معاوية ابن عمار قال: قلت لابي عبدالله عليه السلام: رجل راوية لحديثكم يبث ذلك في الناس ويشدده في قلوبهم وقلوب شيعتكم ولعل عابدا من شيعتكم ليست له هذه الرواية أيهما أفضل؟ قال: الرواية لحديثنا يشد به قلوب شيعتنا أفضل من ألف عابد.

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ (ع) سے پوچھا: "ایک شخص ہے جو آپ کی احادیث جمع کرتا ہے اور انہیں آگے لوگوں میں پھیلاتا ہے اور ان کے دلوں کو آپ کی پیروی پر آمادہ کرتا ہے۔ اور آپ کے ماننے والوں میں ایک ایسا عبادت گذار ہے جو آپ کی احادیث کو آگے نہیں پھیلاتا، تو ان دونوں میں بہتر کون ہے؟ امام (ع) نے جواب دیا: "وہ جو ہماری احادیث کو پھیلاتا ہے اور ہمارے ماننے والوں کے دلوں کو ان کی پیروی کے لیے آمادہ کرتا ہے، وہ ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔"

دونوں احادیث میں ستر ہزار عبادت گذاروں سے بہتر ہونے کا اشارہ موجود ہے۔ اب آپ خود ہی انصاف کریجئے کہ پہلی حدیث میں معصوم، جس عالم کا ذکر کر رہے ہیں کیا وہ خود ہیں یا پھر ایک غیرِ معصوم؟

امام علی ابن حسین (ع) فرماتے ہیں: "اگر لوگوں کو صرف علم کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے تو وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کریں چاہے اس کے لیے انہیں اپنا خون ہی کیوں نہ بہانا پڑے اور (پانی کی) بڑی بڑی موجوں میں ہی کیوں نہ کود جانا پڑے۔ اللہ نے دانیال (ع) پر یہ نازل کیا کہ: "میری مخلوقات میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت وہ شخص ہے جو علماء کی توہین کرتا ہے اور ان کی پیروی نہیں کرتا ہے۔ اور مجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ عزیز وہ نیک شخص ہے جو سخت محنت کرتا ہے کہ اجرِ عظیم حاصل کرسکے، جو ہمیشہ علماء کے نزدیک ٹھہرتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے اور عقلمند لوگوں کی نصیحت پر عمل کرتا ہے۔"

كتاب فضل العلم، باب 14، حديث 5:

علي، عن أبيه، عن النوفلي، عن السكوني، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله: الفقهاء امناء الرسل ما لم يدخلوا في الدنيا قيل يا رسول الله: وما دخولهم في الدنيا؟ قال: اتباع السلطان فإذا فعلوا ذلك فاحذروهم على دينكم.

امام ابو عبداللہ (ع) فرماتے ہیں کہ رسول (ص) نے فرمایا: فقہاء، انبیاء (ع) کے نمائندے ہیں تاوقتکہ وہ دنیاوی کاموں میں نہ مشغول ہو جائیں"۔ لوگوں نے پوچھا کہ ان کا دنیاوی کاموں میں مشغول ہو جانے کا کیا مطلب ہے۔ اس پر آپ (ص) نے جواب دیا: "ان کا دنیاوی کاموں میں حکمرانوں کی پیروی کرنا۔ اور جب وہ حکمرانوں کی پیروی شروع کر دیں تو تم اس بات میں بہت احتیاط کرنا کہ انہیں اپنے دین کے کاموں میں شامل کرو۔"

كتاب فضل العلم، باب 16، حديث 7:

الحسين بن محمد الاشعري، عن معلى بن محمد، عن محمد بن جمهور، عن عبد الرحمن بن أبي نجران، عمن ذكره، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: من حفظ من أحاديثنا أربعين حديثا بعثه الله يوم القيامة عالما فقيها.

امام ابو عبداللہ (ع) فرماتے ہیں: "جو کوئی بھی ہماری چالیس احادیث کو یاد رکھ کر محفوظ کر لے گا، تو ایسا شخص کو

قیامت کے دن اللہ عالم اور فقیہ کے طور پر اٹھائے گا۔

الغرض صرف الکفافی کی پہلی جلد میں ہی اتنی احادیث ہیں کہ اُن کو نقل کرنے کے لیے الگ سے آرٹیکل لکھنا پڑے گا۔ جگہ بچانے کی غرض سے ہم صرف الکافی کے کتاب فضل العلم کے پہلے چند ابواب کے نام پیش کر رہے ہیں جو کہ علماء کے متعلق ہیں۔

كتاب فضل العلم .. (باب فرض العلم ووجوب طلبه والحث عليه)

باب صفة العلم وفضله وفضل العلماء

باب أصناف الناس

باب ثواب العالم والمتعلم

باب صفة العلماء

باب حق العالم

باب فقد العلماء

باب مجالسة العلماء وصحبتهم

باب سؤال العالم وتذاكره

نیز باقر صاحب سے سوال ہے کہ الکافی کے مؤلف یعقوب کلینی علیہ رحمہ نے ان ابواب کے یہ نام کیوں رکھے ہیں؟

محترم مومنین! باقر صاحب کی اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان کے کم پڑھے لکھے حامیوں نے انٹرنیٹ پر آکر مجتہدین کرام کو علماء کہنے پر بری طرح شور شرابہ مچایا ہے اور یہ لوگ علماء کے خلاف مزید انتہا پسندی پر چپ گئے ہیں۔

انٹرنیٹ پر باقر صاحب کی اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔

(دیکھئیے ویب سائٹ www.hubeali.com)

اس کے ضمیمہ میں باقر نثار زیدی صاحب نے اس چیز کو کفر اور شرک میں شامل کیا ہے کہ مجتہدین کرام کو عالم کہا جائے۔

باقر صاحب نے ضمیمہ میں ایک باب باندھا باب الکفر کے نام سے، جس میں انہوں نے مجتہدین حضرات کی وہ باتیں درج کی ہیں، جو ان کے نزدیک کفر ہیں۔ باقر صاحب تحریر فرما ہیں:

کتاب الکفر:

۔۔۔۔(اصولی مکتبِ فکر کی جانب سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے تقلید و اجتہاد پر اعتراضات کے تجزیہ کے نام سے۔ اس کتاب کے صفحہ 71 پر لکھا ہے):

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے علماء کا استقبال کیا گویا اس نے میرا استقبال کیا۔ جس نے علماء کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی۔ جو علماء کے پاس بیٹھا، گویا وہ میرے پاس بیٹھا اور جو میرے پاس بیٹھا، گویا وہ اللہ کے پاس بیٹھا۔

اگر یہاں علماء سے مراد مجتہدین لئے جا رہے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ توحید آپ کے ہاتھ سے گئی۔ علماء سے مراد وہ ہستیاں ہیں جو اللہ کی مظہر نامہ ہیں۔ جنکی مشیت اللہ کی مشیت اور جنکا ارادہ اللہ کا ارادہ ہے۔ جن کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا ہے۔ جن کی معرفت اللہ کی معرفت جنکی اطاعت اللہ کی اطاعت جنکا قول اللہ کا قول، اور جنکا فعل اللہ کا فعل ہے۔ یہاں کسی ایسے کا گزر نہیں جو نطفہ نجس سے پیدا ہوا ہو، اور علائق دینوی میں گرفتار ہو۔ خدا کے لئے اپنے اوپر رحم کھاؤ۔ تمھیں دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔

جن اشکالات کو کشف الحقائق میں مکمل طور پر رفع کر دیا گیا ہے، اس کتاب میں پھر وہی اشکالات پیدا کئے گئے ہیں مثلاً عالم کون ہے۔ فقہ۔ تفقہ اور فقیہ کے معنی۔ مجتہد اور راوی کا فرق وغیرہ۔ ہمیں دوبارہ اس بارے میں لکھنے کی ضرورت نہیں ۔کلا سے لئے کشف الحقائق کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کیا جائے۔

محترم مومنین! آپ ظاہر پرستی کی اس بیماری کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

1. وہابی حضرات اسی ظاہر پرستی کی وجہ سے ہر چیز پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں۔

2. اور باقر نثار زیدی صاحب (اور ان کے حامیتی) بھی صرف اسی ظاہر پرستی کی بیماری کی وجہ سے مجتہدین کو عالم کہنے کو کفر اور توحید سے ہاتھ دھونا تعبیر کر رہے ہیں۔

(نوٹ: فقیہ کے اوپر بھی آپ کو الکافی کی اسی کتاب فضل العلم میں بہت سی احادیث مل جائیں گی۔ انہیں پڑھنے کے بعد آپ پھر وہ سب کچھ پڑھ سکتے ہیں جو کہ باقر صاحب نے فقیہ کے اوپر ارشاد فرمایا ہے۔)

باقر صاحب کی خدمت میں ہمارے کچھ سوالات

محترم باقر صاحب، آپ نے اصولی علماء کو تو "جاہل" قرار دے دیا کہ جنہوں نے "علماء" ہونے کا تاج اپنے سر پر سجا رکھا ہے۔ مگر آپ ائمہ (ع) کے متعلق کیا کہیں گے جو خود غیر معصوم فقہاء کے سر پر علماء ہونے کا تاج رکھ رہے ہیں؟ کیا نعوذ باللہ یہ بھی جہالت ہے؟

محترم قارئین، اللہ قران میں ایک جگہ اپنے لیے فرما رہا ہے کہ وہ "عالم" ہے۔ مگر دوسری جگہ قران میں اللہ اسمعیل (ع) کے لیے بھی "عالم" کا خطاب استعمال کر رہا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ، جنابِ اسمعیل کو اس صفت میں اپنا شریک بنا رہا ہے، بلکہ جب اللہ اپنے لیے "عالم" کا خطاب استعمال کرتا ہے تو یہ مطلقاً اور حقیقی معنوں میں ہے۔ جبکہ اسمعیل (ع) کو عالم کہنا مجازی معنوں میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے علم کے کچھ حصے سے ان کو بھی نوازا ہے۔

اسی طرح جب ائمہ (ع) اپنے آپ کو بنی نوع انسانی کے مقابلے میں عالم کہہ رہے ہیں تو یہ حقیقی معنوں میں ہے اور اس کے مقابلے میں فقہاء کو عالم کہنا کا مطلب یہ ہے کہ ائمہ (ع) نے اپنے علم میں سے کچھ حصے سے ان کو بھی نوازا ہے۔

واللہ، پچاس سے زائد احادیث موجود ہیں جن میں ائمہ (ع) نے خود باعلم شیعوں کو عالم کے خطاب سے نوازا ہے، مگر یہ سب کی سب باقر صاحب اپنے پڑھنے والوں سے چھپا گئے کیونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف جاتی ہیں۔

کیا علماء وارثِ انبیاء ہیں؟

ہم سوچ تو رہے تھے کہ علماء پر ہم پہلے ہی سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔ مگر حال ہی میں باقر صاحب نے ضمیمہ شائع کر کے اس میں علماء کے وارثِ انبیاء ہونے کا جو انکار کیا ہے، اُس کی بناء پر ہمیں گفتگو مزید بڑھانی پڑ رہی ہے۔

چونکہ اس گفتگو سے ناصبی حضرات کا بھی باغِ فدک پر موجود ایک بڑا اعتراض دور ہوتا ہے، لہذا یہ گفتگو مفید ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ۔

آئیے اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ پاکستان میں اصولی مکتبِ فکر کی جانب سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے اجتہاد و تقلید پر اعتراضات کا تجزیہ۔ باقر صاحب اس کتاب کے متعلق تحریر فرما ہیں:

مسئلہ دراصل یہ آ پڑا تھا کہ جب سے کشف الحقائق مارکیٹ میں آئی تھی، اس وقت سے مجتہدین اور کلائے

کارندوں پر مسلسل یہ دباؤ تھا کہ وہ اس کتاب کا جواب لکھیں۔ حالانکہ جواب دینا قیامت تک ان لوگوں کے لئے محال ہے کیونکہ اس کتاب کو جھٹلانے کا مطلب ہوگا قرآن کو جھٹلانا۔ معصومین (ع) کو جھٹلانا اور خود اپنے مرجع عظام کو جھٹلانا کیونکہ اس کتاب میں ان چیزوں کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔

اس لئے یہ جواب دے کر بھی پھنستے تھے اور نہ دے کر بھی۔ اب مذکورہ کتاب (یعنی اجتہاد و تقلید پر اعتراضات کا تجزیہ) دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ شاید یہ کشف الحقائق ہی کا جواب ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ پوری کتاب میں نہ کہیں کشف الحقائق کا ذکر ہے اور نہ اس میں اٹھائے گئے نکات میں سے کسی ایک بھی نکتے کا جواب دیا گیا ہے۔

بصدِ ادب، اللہ کو غرور پسند نہیں ہے اور کبھی وہ چیونٹی کے ذریعے ہاتھی کا غرور خاک میں ملا دیتا ہے۔

باقر صاحب آگے باب الکفر میں مزید تحریر فرماتے ہیں:

کتاب الکفر

اس کتاب میں ایسی باتیں درج ہیں جن سے لازماً کفر لازم آتا ہے۔

۱) صفحہ ۷ پر لکھا ہے۔ حضرت امام زمانہ نے فرمایا: جامع الشرائط مجتہد میرے مثل ہیں اور وارثِ انبیاء وائمہ ہیں۔

ان لوگوں کو ڈوب مرنا چاہئے۔ چند دنیاوی فوائد کے بدلے یہ آخرت بیچنے پر تلے ہوئے ہیں اور جاہل ایسے ہیں کہ نہ انھیں مثل کے معنی معلوم ہیں اور نہ وارث کے۔ پہلے اپنے بڑوں سے ان الفاظ کے معنی پوچھو پھر اپنے منہ پر طمانچہ مارو۔ نہ اس وضعی حدیث کا عربی متن دیا گیا ہے اور نہ کوئی حوالہ۔۔۔۔

باقر صاحب، جن لوگوں کو آپ جاہل کہہ رہے ہیں، وہ مجتہدین کرام یقیناً اُن بہت سے جاہل ملنگ حضرات سے زیادہ باعلم ہیں جن کو آپ امام کی ڈائریکٹ تقلید کے نام پر اپنا فتویٰ خود معلوم کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

دوسرا یہ کہ آپ تو علم الرجال پر لعنت بھیجتے ہوئے حدیث بیان کرنے کے مسئلہ میں ہندو اور کافر اور سنی تک پر اندھا دھند اعتماد ہے، تو پھر اب مجتہدین کرام پر یہ بداعتمادی کیسی؟ اب اگر وہ ایک حدیثِ معصوم بیان کر رہے ہیں تو آپ مان کیوں نہیں لیتے؟

باقر صاحب آگے تحریر فرماتے ہیں:

۔۔۔ (اسی کتاب اجتہاد وتقلید پر اعتراضات کا تجزیہ میں آگے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے) لہذا یہ کہنا کہ ائمہ وانبیاء سے علم اور احادیث کو حاصل کرنا چاہیئے نہ کہ علماء سے تو یہ درست نہیں ہے۔

اس میں کہی گئیں دونوں باتیں مخالف قران ہیں۔ ہم انکی باتیں تب مانیں گے جب یہ **تحریری طور پر زیارتِ وارثہ کا انکار کر دیں**۔ جمیع دانشمندان کیا خیال ہے؟

اگر کوئی ظاہر پرستی کی بیماری میں مبتلا ہوکر نہ ماننا چاہے تو یہ اُس کی مرضی، مگر ہمیں علماء کو وارثانِ انبیاء ماننے کے لیے زیارتِ وارثہ سے انکار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہمارے ائمہ معصومین (علیہم السلام) نے خود علماء کو وارثانِ انبیاء قرار دیتے ہوئے کبھی زیارتِ وارثہ کا انکار نہیں کیا ہے۔

الکافی، کتاب فضل العلم، باب صفة العلم وفضله وفضل العلماء

محمد بن يحيى، عن أحمد بن محمد بن عيسى، عن محمد بن خالد، عن أبي البختري، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: إن العلماء ورثة الانبياء وذاك أن الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا، وانما اورثوا أحاديث من أحاديثهم، فمن أخذ بشئ منها فقد أخذ حظا وافرا

ترجمہ: امام ابو عبداللہ۔فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: علماء وارث ہیں انبیاء کے۔ اور انبیاء وراثت میں درھم اور دینار نہیں چھوڑتے، بلکہ اپنا علم اور احادیث چھوڑتے ہیں۔ اور جو اسے حاصل کر لے، اُس نے بہت بڑی چیز حاصل کی۔

یہی حدیث دوسرے طریقے سے بھی نقل ہوئی ہے اور اسے علی ابن ابراہیم نے اپنے باپ سے، انہوں نے حماد ابن عیسیٰ سے، انہوں نے عبداللہ ابن میمون سے، انہوں نے امام ابو عبداللہ (جعفر صادق)۔سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔

علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب مراۃ العقول (جو الکافی کی شرح ہے) یہ حدیث نقل کی ہے اور یہ لکھا ہے:

یہ حدیث دو طریقوں سے نقل ہوئی ہے۔ پہلا طریقہ مجھل ہے (ایک راوی غیر معروف ہے) جبکہ دوسرا طریقہ اسناد حسن یا موثق ہے۔ (مجموعی طور پر) یہ صحیح حدیث کا درجہ رکھتی ہیں۔ (مراۃ العقول، جلد ۱، صفحہ ۱۱۱)

چنانچہ جب معصومین (علیہم السلام) نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا، اور اسے زیارتِ وارثہ کا انکار نہیں سمجھا، تو جو حضرات آج ظاہر پرستی میں مبتلا ہو کر قولِ معصوم کا انکار کر رہے ہیں، وہ یقیناً صریحی غلطی میں مبتلا ہیں۔

[سائیڈ نوٹ: اخباری حضرات اور ان کے ملنگ حمایتی دعویٰ کرتے ہیں کہ ملا باقر مجلسی اور احادیث جمع کرنے والے شیعہ افراد (مثلاً یعقوت الکلینی) یہ سب اصولی نہ تھے، بلکہ اخباری تھے۔ اس وجہ سے یہ ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔

تو اب یہ حضرات دیکھ لیں کہ ملا باقر مجلسی (علیہ الرحمہ) علم الرجال سے کام لے رہے ہیں۔ اور یہی حال احادیث جمع کرنے والوں کا ہے جنہوں نے حدیث کے ساتھ اُن سب کا سلسلہ اسناد بھی بیان کیا ہے۔ ہم نے ان حضرات کی توجہ تو اس ملاںٔ پر بہت مبذول کروائی، مگر ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔ چلیں خیر۔۔۔]

جب ہم معصومؑ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں تو باقر صاحب کے حامی ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ ہم ناصبی ہو گئے ہیں اور زہرا (سلام اللہ علیہا) کی مخالفت میں خلیفہ اول کا ساتھ دے رہے ہیں۔

اس لئے آیئے اب ناصبی حضرات کی طرف چلتے ہیں جو کہ یہ حدیث نقل کر کے اسے باغِ فدک پر جناب ابوبکر (خلیفہ اول) کا حق پر ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب خلیفہ اول نے خاتونِ جنت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کو باغِ فدک یہ جھوٹ بول کر نہ دیا تھا کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، حدیث ۴۹:

ابوبکر سے روایت ہے: میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کوئی میراث نہیں چھوڑتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہے۔

اب ابوبکر کی حدیث اور امام جعفرِ صادقؑ کی حدیث میں کوئی مماثلت نہیں ہے، سوائے اُن لوگوں کے لیے جو ظاہر پرستی میں مبتلا ہیں اور معصومین علیہم السلام کی احادیث کے روحانی معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ان دونوں احادیث کے متعلق نوٹ فرمائیں:

1. امام جعفر صادقؑ کی حدیث میں بات مجازی معنوں میں ہے کہ علماء گروہ انبیاء کے وارث ہیں۔۔۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علماء کو وراثت میں انبیاء کا بینک اکاؤنٹ اور جاگیریں وغیرہ منتقل ہوں گی۔

2. الکافی کی یہ حدیث انبیاء کی اولاد کے متعلق نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ صرف یہ کہہ رہی ہے کہ نبوت کا اثاثہ اُن کا علم و حکمت ہے نہ کہ درھم و دینار۔ (اور نبوت کا یہ اثاثہ، یعنی علم و حکمت، بطور وراثت اُن کی اولادوں کو منتقل نہیں ہوتا، بلکہ علم و حکمت صرف علماء حاصل کرتے ہیں)۔ اگر کسی نبی کے بیٹے نے نبی سے علم و حکمت نہ لی اور ٹھکرا دی، تو وہ غارت ہوگیا۔ چنانچہ یہ صرف علماء ہیں جو کہ نبی کے علم و حکمت سے فائدہ اٹھا کر اُس کے وارث بنتے ہیں۔

3. اور نوٹ کریں کہ ابوبکر اپنے بیان میں علم واحادیث کی بات نہیں کر رہا، بلکہ وہ دنیاوی مال ومتاع کی بات کر رہا ہے۔

4. الکافی کی حدیث کہیں یہ نہیں کہہ رہی ہے کہ انبیاء (علیھم السلام) کی دنیاوی چیزیں اور جاگیریں اُن کے مرنے کے بعد بطور صدقہ امت میں تقسیم کر دی جاتی ہیں (جیسا کہ خلیفۂ اول دعویٰ کر رہا ہے)، بلکہ یہ علم اور احادیث کے متعلق ہے جو بطور صدقہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ اور اس علم واحادیث کا وارث بھی صرف علماء کو قرار دیا ہے (جبکہ خلیفہ اول کے دعویٰ میں کہیں علماء کا ذکر تک نہیں ہے، بلکہ وہ مالی وراثت کو پوری امت میں بطور صدقہ بانٹنے کا بہانہ بنا رہا ہے)۔

ماضی سے لیکر آج تک تمام شیعہ علماء نے اس حدیث کو پڑھا مگر کبھی اسے اس کے ظاہری معنوں میں نہیں لیا، بلکہ اسے ہمیشہ صرف اور صرف علم و حکمت واحادیث تک محدود رکھا۔

اس لیے اب نہ ناصبی بہانہ چل سکتا ہے اور نہ باقر صاحب اور اُن کے حمایتیوں کے لیے کوئی عذر بچا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچائی جاننے اور اُس کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین۔

باقر صاحب کے مجتہدین کے خطابات پر اعتراضات

باقر صاحب نے مجتہدین کے خطابات پر صفحہ 183 سے لیکر صفحہ 232 تک ایک پورا باب نظر کیا ہے۔ اور حجت الاسلام، امام، نائبِ امام، آیت اللہ جیسے القابات پر اعتراضات اور سخت تنقید کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ائمہ معصومین (ع) کے علاوہ دوسروں کے لیے یہ حرام ہے کہ ان کے لیے یہ خطابات استعمال کیے جا سکیں۔

ان تمام اعتراضات کا ایک سادہ جواب یہ ہے کہ یہ تمام خطابات مجتہدین کرام کے لیے مجازی معنوں میں استعمال کیے جاتے ہیں اور ان کو ائمہ معصومین (ع) کے مقابے میں لانے کا کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ ان کو ہم پر مطلقاً ولایت حاصل ہے۔ مگر چونکہ باقر صاحب اور ان کے حامی ملنگ طبقے ظاہر پرستی کی بیماری میں مبتلا ہیں، اس لیے یہ لوگ یہ فرق سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آئیے اس مسئلہ پر تھوڑی اور بحث

کرتے ہیں تاکہ مومنین حضرات کے لیے معاملہ اور زیادہ واضح ہو سکے۔

"خاص" خطابات بمقابلہ "عام" خطابات

اس موقع پر ہم اپنے محترم پڑھنے والوں کو پہلے ان "خاص" اور "عام" خطابات کا فرق بتانا چاہتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آئے گا۔

"خاص" خطابات: اس قسم کے خطابات صرف اللہ یا معصومین (ع) کے لیے مخصوص ہیں اور کسی اور کو یہ اجازت نہیں کہ یہ خطابات یا القابات اپنے لیے استعمال کرے۔ مثلاً:

معبود: یہ صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے اور کسی دوسرے کو اس خطاب سے نہیں پکارا جا سکتا (نہ حقیقی معنوں میں اور نہ مجازی معنوں میں)۔

رحمت اللعالمین اور خاتم النبیین: یہ صرف رسول اللہ (ص) کے لیے مخصوص ہے اور حتیٰ کہ دوسرے معصومین (ع) کے لیے بھی یہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

امیر المومنین و امام المتقین: یہ دو خطابات صرف مولا علی (ع) کے لیے مخصوص ہیں اور ہم دوسرے ائمہ کرام کے لیے بھی یہ استعمال نہیں کر سکتے۔

امام العصر: یہ امام المہدی (ع) کے لیے مخصوص ہے اور کسی عالم کو اجازت نہیں ہے کہ وہ یہ خطاب اپنے لیے استعمال کرے۔

"عام" خطابات: یہ وہ خطابات ہیں جو کہ اللہ یا معصومین (ع) کے لیے مخصوص نہیں ہیں اور دوسروں کے لیے مجازی معنوں میں استعمال کی جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

اللہ قرآن میں اپنے لیے کریم کی صفت استعمال کر رہا ہے:

فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ

مگر اسی قرآن میں اللہ اپنے پیارے رسول (ص) کے متعلق فرما رہا ہے:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ

بیشک جب اللہ اپنے لیے کریم استعمال کر رہا ہے تو یہ حقیقی معنوں میں ہے۔ جبکہ جب یہ رسول (ص) کے لیے استعمال ہوا ہے، تو یہ اپنے مجازی معنوں میں ہے۔ اور اگر ہم اسی ظاہر پرستی میں پڑے رہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ (نعوذ باللہ) قرآن میں خود نبی کو اپنا شریک بنا کر شرک کر رہا ہے۔

قوی: یہ بھی اللہ کی ایک صفت ہے، مگر اللہ اس کو رسول (ص) کے لیے بھی استعمال کر رہا ہے۔

ایک جگہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے:

[القران 22:74] إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ

جبکہ دوسری جگہ اپنے نبی کے لیے فرماتا ہے:

[القران 81:19] إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّت عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِين

(یقیناً (یہ قرآن) ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے، جو قوت والا ہے، عرش والے اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔)

تو کیا ہم ظاہر پرستی میں پڑ کر کہنے لگیں کہ اللہ نے رسول کو "قوی" کہہ کر اپنا شریک بنا لیا ہے؟

در حقیقت، قران میں کئی جگہ اللہ اپنے انبیاء پر ایسے اعزازات نازل کر رہا ہے، کہ جن کے روحانی معنوں کو نہ سمجھا جائے تو ہمیں اللہ کو نعوذ باللہ مشرک ماننا پڑ جائے گا۔ مثلا:

عالم: یہ اللہ کی صفت ہے، مگر اللہ نے اسے اسمعیل (ع) کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔

حلیم: یہ بھی اللہ کی صفت ہے، مگر اللہ نے یہ ابراہیم (ع) اور اسمعیل (ع) کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔

شکور: یہ بھی اللہ ہی کی صفت ہے، مگر اللہ نے نوح (ع) کے لیے بھی یہ استعمال کیا ہے۔

بر: یہ بھی اللہ کی صفت ہے، مگر اللہ نے اسے عیسیٰ (ع) اور یحییٰ (ع) کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔

امام، حجت الاسلام، آیت اللہ، اہلِ ذکر، راسخون فی العلم۔۔۔۔۔

امام ایک عام خطاب ہے اور یہ معصومین (ع) کے لیے کسی نص کی رو سے مخصوص نہیں ہے۔ قران نے اسے نیک اور گناہگار، دونوں قسم کے لوگوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ ہم اسے امام مسجد کے لیے بھی مجازی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ وہابی حضرات کا کہنا ہے کہ صرف اللہ کو مولا کہا جا سکتا ہے اور امام علی (ع) کو مولا کہنا شرک ہے۔ مگر رسول (ص) نے امام علی (ع) کے لیے مولا کا لفظ استعمال کیا (وادیِ غدیر)۔ تو کیا رسول اللہ (ص) نے شرک کیا؟

اور ہم شیعہ (بشمول اخباری، ملنگ) بھی تو اسے عام زندگی میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہ امام علی (ع) کے لیے کسے نص سے مخصوص نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ہم کہتے ہیں "مولا عباس علمدار"۔ تو کیا یہ کہنا حرام ہے؟

جب ہم آغا خمینی (علیہ رحمہ) کو امام کہتے ہیں، تو یہ اس معنوں میں نہیں ہوتا جس میں ہم یہ معصومین (ع) کے لیے استعمال کرتے ہیں، جو کہ حقیقی معنوں میں ہمارے امام ہیں۔ بلکہ یہ مجازی معنوں میں ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ آغا خمینی ہمارے غیر معصوم امام ہیں اور ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ ہم معصوم ائمہ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن اگر ہمارے اخباری / ملنگ مومنین علماء کے مسئلہ پر وہابی بننا چاہیں تو یہ ہم صرف اس صورتحال پر افسوس ہی کر سکتے ہیں۔

معصومین (ع) کی طرف سے کوئی ایسی نص نہیں ہے جو اس خطاب کے مجازی معنوں کے استعمال کو حرام قرار دیتی ہو۔ لیکن اگر یہ لوگ اسے اپنی طرف سے اسے حرام قرار دیتے ہیں تو یہ حلالِ شریعت کو اپنی طرف سے حرام قرار دینے کے سوا کچھ نہیں۔

حجت الاسلام

جب ہم علماء کے لیے "حجت الاسلام" کا خطاب استعمال کرتے ہیں تو ہمارا مقصد صرف اس سسٹم کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے جس میں ہم نے "علم" کو مختلف درجوں میں بانٹا ہوا ہے۔ یعنی علم کے خاص درجے تک پہنچنے پر ہم عالم کو "حجت الاسلام" کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کے بعد علم کے اگلے درجہ کو "مجتہد / آیت اللہ" کہا جاتا ہے۔ اور آخری درجہ میں، ایسے عالم کو اعلم یا آیت اللہ العظمیٰ کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی سسٹم ہے جیسے کہ مغربی دنیا میں علم کے مختلف درجے ہیں مثلاً Becholor, Master, Doctor وغیرہ وغیرہ۔

آئیے اب معصوم (ع) کی ایک حدیث دیکھتے ہیں:

احتجاج الطبرسی، ج 2:

امام آخر الزمان (ع) اپنی توقیع مبارک میں اسحاق بن یعقوب کو جواب دیتے ہیں: "تمہیں چاہیئے کہ حوادث

واقعہ (جوکہ غیبتِ کبرہ کے دوران پیش آئیں) کے بارے میں تم ہماری احادیث کے راویان سے رجوع کرنا،
کیونکہ وہ تم پر ہماری طرف سے ایسے ہی حجت ہیں جیساکہ ہم اللہ کی طرف سے تم پر حجت ہیں ۔

منتہی الاعمال، ص 278:

امام جعفر صادق (ع) جابر ابن یزید جعفی کے متعلق فرماتے ہیں:

یہ ایک ایسا دریا ہے کہ جس سے جتنا بھی نکال لو یہ کم نہیں ہو گا۔ اور یہ اپنے زمانے کا باب ہے ۔ اور یہ
مخلوقات پر حجتِ خدا ابو جعفر محمد بن علی کی طرف سے حجت ہے ۔

بے شک معصومین (ع) ہم پر حقیقی معنوں میں حجت ہیں ۔ مگر یہی معصومین (ع) دوسرے غیر معصوم لوگوں کو بھی ہم پر مجازی معنوں
میں حجت قرار دے رہے ہیں کیونکہ وہ معصومین (ع) کی احادیث ہم تک ان کے صحیح معنوں میں پہنچاتے ہیں ۔

اہلِ ذکر، راسخون فی العلم

تمام مجتہدین اس ملاں میں متفق ہیں کہ صرف اور صرف ائمہ معصومین (ع) ہی کو قران میں اہلِ ذکر اور راسخون فی العلم سے پکارا گیا ہے ۔
ان میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں ۔ یہ صرف ان کے خلاف ملنگ کیمپ کی طرف سے پروپیگنڈہ
ہے ۔ باقر صاحب نے بھی ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ یہ لوگ یہ خطابات اپنے لیے استعمال کرتے ہیں، مگر اس کا ایک بھی حوالہ انہوں نے
نہیں دیا ہے کہ کب اور کہاں، کس عالم نے اپنے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے ۔ (دیکھیئے کشف الحقائق کا صفحہ 225 اور 226)

عام کم علم لوگوں کو حکم ہے کہ وہ اہلِ ذکر اور راسخون فی العلم (یعنی ائمہ معصومین) سے رجوع کریں اگر وہ نہیں جانتے ۔ مگر اس صورت میں کیا کیا
جائے کہ ان کی پہنچ معصومین (ع) تک نہ ہو؟ اس صورت میں معصومین (ع) نے عام لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ علماء سے رجوع کریں جو
انہیں بتائیں گے کہ اہلِ ذکر نے کسی فقہی مسئلہ کے متعلق کیا کہا ہے ۔ مثلا

اصولِ کافی، ج 1، ص 67

علی ابن مسیب الھدانی کہتے ہیں کہ انہوں نے امام رضا (ع) سے کہا کہ انہیں بہت طویل سفر طے کر کے

ان کے پاس آنا پڑتا ہے اور اس لیے وہ ہر وقت ان تک نہیں پہنچ پاتا۔ تو ایسی صورت میں ایمانی تعلیمات کس سے حاصل کیا کروں؟ امام (ع) نے جواب دیا، "زکریا ابن آدم سے کہ وہ دین اور دنیا کے ملات میں میرا قابلِ اعتماد ساتھی ہے۔" علی بن مسیب کہتے ہیں کہ واپسی کے سفر میں میں زکریا بن آدم کے پاس گیا اور ان سے وہ سب کچھ پوچھا جو کہ مجھے پوچھنا تھا۔"

چنانچہ "فاسئلوا اہلِ ذکر" (یعنی اہلِ ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے) سے مراد حقیقی معنوں میں صرف اور صرف ائمہ معصومین (ع) ہیں۔ جبکہ یہی معصوم ائمہ (ع) حکم دے رہے ہیں کہ ہم ان غیر معصوم علماء سے "پوچھیں" اگر ہم براہِ راست امام تک نہ پہنچ سکیں۔

باقر صاحب کے "ولایتِ فقیہ" پر اعتراضات

اسی طرح صفحہ 216 پر باقر صاحب نے امام خمینی پر اور ولایتِ فقیہ کے نظریے پر سخت تنقید کی ہے اور ان حضرات کا کہنا ہے کہ امام خمینی نے یہ سب کچھ بدعات حکومت میں رہنے کے لیے گھڑی ہیں۔

ہم یہاں اس مسئلہ کی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ آغا خمینی کی اس موضوع پر کتاب "آن لائن" موجود ہے اور اس کے علاوہ مارکیٹ میں بھی عام دستیاب ہے اور یہ کتاب کافی ہے کہ لوگ اس مسئلہ کو سمجھ سکیں اور ملنگ برادران کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کا تجزیہ کر سکیں۔

ہم صرف یہ حدیث نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں:

امام (ع) نے جواب دیا: "تمہیں چاہیے کہ تم اپنے میں سے ایسے شخص کو تلاش کرو کہ جو ہماری احادیث کو روایت کرتا ہو اور جس نے اس چیز کا مطالعہ کیا ہو کہ ہماری تعلیمات میں کیا چیزیں حلال ہیں اور کون سی چیزیں حرام، اور جس نے ہمارے دیے گئے قوانین کا (گہرائی کے ساتھ) مطالعہ کیا ہو۔ تو ان دونوں گروہوں کو چاہیے کہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس مسئلہ میں وہ اس شخص کے فیصلہ کو مان لیں گے، کیونکہ میں اس شخص کو تم پر حاکم / قاضی مقرر کرتا ہوں۔ اور جب وہ شخص ہمارے احکامات کے مطابق فیصلہ سناتا ہے، مگر اس کے فیصلے کو قبول نہیں کیا جاتا، تو یہ اللہ کے احکامات کو نظر انداز کرنا ہے اور ہمارا انکار کرنے کے برابر ہے۔ اور ہمارا انکار کرنا اللہ کا انکار کرنا ہے اور یہ شرک کے برابر کی سطح کا گناہ ہے۔

ہمارے ملنگ مومنین کے ماضی میں علماء سے چند اختلافات تھے، مگر پھر بھی وہ ان کی عزت کرتے تھے۔ مگر باقر صاحب کی اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان میں بہت تبدیلی آگئی ہے اور یہ اب لکھے عام مراجع کرام پر منبرِ نبی سے بھی سب وشتم کرنے سے بعض نہیں آتے۔

ان ملنگ طبقوں کی نظر میں اہلِ بیت کے بڑے دشمن اب وہابی اور ناصبی نہیں ہیں، بلکہ مراجع کرام ہیں۔

شیعہ قوم ٹکروں میں بٹ گئی ہے اور ان میں اب کوئی اتحاد نہیں ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کے لیے نفرت ہے اور محرم کے دوران اس نفرت کا اظہار صاف نظر آتا ہے جب یورپ کے ممالک میں بھی امام بارگاہوں اس بنیاد پر لڑائیاں ہوتی ہیں۔ انگلینڈ میں تو باقاعدہ طور پر پولیس کو مداخلت کر کے یہ لڑائی ختم کرانا پڑی۔

اللہ ہمیں اس نفرت کے فتنے سے محفوظ رکھے اور پھر سے شیعہ قوم میں اتحاد پیدا کرے۔ اٰمین۔

اللھم صلی علی محمد وآل محمد۔

باب 7 ۔کیا مولا (ع) نے اپنے زمانے سے ہی شیعوں کو خمس معاف کر دیا تھا؟

پاکستان میں اکثر لوگ خمس نہیں نکالتے۔ خصوصاً ملنگ حضرات کا خمس سے دور دور تک کوئی واسطہ نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف ایران اور عراق میں زیادہ تر لوگ باقاعدگی سے خمس ادا کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہاں کے علماء اتنے منظم اور مضبوط ہیں کہ ایران میں انقلاب تک لے آئے۔ جبکہ پاکستان میں شیعوں کی ابتری اور بدنظمی کی بدترین صورتحال نظر آتی ہے۔

علماء پاکستان میں بھی لوگوں کو امام کا حق ادا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور آہستہ آہستہ لوگوں میں یہ شعور پیدا ہو رہا ہے۔ مگر یہ صورتحال ملنگ لوگوں کو منظور نہیں کیونکہ جو لوگ خمس نکالتے ہیں وہ ان ملنگ حضرات پر تنقید بھی کرتے ہیں کہ یہ لوگ "علی علی" کر کے مولا علی (ع) اور انکی آل کا حق کھا رہے ہیں۔ اس لیے یہ لوگ نئے نت حربے استعمال کر کے خمس کے حوالے سے حملے کرتے رہتے ہیں۔

آخر کار باقر صاحب ایک اور طریقے سے علماء کرام پر حملہ آور ہوئے ہیں۔انہوں نے پورا ایک باب خمس کے مسئلے کی نظر کیا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ مولا علی (ع) نے اپنے زمانے سے ہی خمس کا مال اپنے شیعوں کے لیے حلال کر دیا تھا۔ اور یہ جو شیعہ عالم آجکل شیعوں سے خمس کی بات اس لیے کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کو امام کے نام پر لوٹ سکیں۔ مثال کے طور پر وہ امام علی سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

> "امام محمد باقر (ع) فرماتے ہیں کہ امیر المومنین (ع) نے ان لوگوں کے لئے (یعنی شیعوں کے لئے) خمس کو حلال کر دیا ہے تاکہ ان کی ولادت پاک رہے۔ (علل الشرائع صفحہ 289)

اور اسی طرح کی ایک حدیث امامِ زمانہ (ع) سے مروی ہے:

> اسحق بن یعقوب کے دریافت کیے گئے سوال کے جواب میں، جس میں خمس کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، امام (ع) اپنی توقیع (خط) میں فرماتے ہیں: "اور خمس تو یہ میں اپنے شیعوں کے لیے مباح کرتا ہوں اور ہمارے ظہورِ امر تک ان کے لیے حلال ہے تاکہ ان کی ولادت پاک و پاکیزہ رہے اور گندی نہ ہو (بحار الانوار، جلد 12، ص 778)

کیا مولا علی (ع) سمیت کسی امام نے شیعوں سے کبھی خمس کا ایک پیسہ نہیں لیا

اسی باب میں باقر صاحب یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ انہیں یقین ہے کہ معصومین (ع) کے دور کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ کسی ایک بھی امام نے اپنے شیعوں سے خمس کا ایک پیسہ بھی لیا ہو۔ مثلاً باقر صاحب تحریر کرتے ہیں:

1) مولا علی (ع) نے اپنے زمانے سے ہی شیعوں کو خمس معاف کر دیا تھا اور دور میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں کسی نے امیرالمومنین (ع) کو خمس لا کر دیا ہو۔ (صفحہ 310)

2) یہی حال امام حسن، اور امام حسین کے زمانہ میں رہا۔ یہاں تک کہ اگر کبھی حکومتی وظیفہ آنے میں تاخیر ہو جاتی تھی تو یہ معصومین (ع) سخت معاشی مشکلات کا شکار ہو جاتے تھے۔ امام زین العابدین کے زمانہ میں بھی خمس کی کوئی گھاگھمی نہیں دکھائی دیتی۔ امام محمد باقر (ع) کے زمانے میں بھی یہ حال تھا۔ امام جعفر صادق (ع) کے زمانے میں البتہ کچھ روایات ملتی ہیں کہ لوگ امام (ع) کے پاس مال لے کر آئے، لیکن ان واقعات سے غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیے اس لیے کہ یہ لوگ کبھی کبھی امام کے پاس ہدیے اور تحفے بھیجا کرتے تھے، لیکن خمس کے نام پر نہیں۔ (صفحہ 310)

3) امام جعفر صادق (ع) کے بعد کا زمانہ تو اور بھی سخت زمانہ تھا اور یہ لوگ حکام وقت کی کڑی نگرانی میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے شیعوں کو اجازت دے دی ہو کہ وہ خمس لا کر پیش کریں۔ (صفحہ 312)

4) آپ خود تصور کر سکتے ہیں کہ اس پر آشوب دور میں جبکہ پوری مشینری امام (ع) کی تلاش میں لگی ہوئی تھی جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے، شیعوں کو اپنی جان بچانا بھاری پڑ رہے تھی ایسے میں خمس کے بارے میں کون سوچ سکتا تھا۔ (صفحہ 311)۔

خمس کے بارے میں وہ احادیث، جو کہ باقر صاحب چھپا گئے ہیں

محترم مومنین، ہمیشہ کی طرح خمس کے ملاٹ میں بھی وہابی حضرات کی طرح ظاہر پرستی میں پڑ گئے ہیں اور جس کے لیے ہم شروع سے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ اسی ظاہر پرستی کی وجہ سے یہ احادیث کو ان کے صحیح معنوں میں نہیں نقل کر رہے اور اسی غلط تشریح کی وجہ سے انہیں اور بے تحاشہ احادیث کو چھپانا پڑ رہا ہے جو ان کی تشریح (ظن) کے بالکل خلاف جا رہی ہیں۔

اسی طرح باقر صاحب کا یہ ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل دینا کہ مولا علی (ع) اور دوسرے ائمہ (ع) نے بہت سخت حالات گذارے، اور اگر ان کے پاس خمس کا مال ہوتا تو وہ کبھی اتنے تنگدست نہ ہوتے۔۔۔۔ یہ سوائے باقر صاحب کے قیاس کے کچھ نہیں۔ بلکہ یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جو کچھ مال اموال خمس کے نام پر آتا تھا، وہ ائمہ (ع) بجائے اپنی ذات اور اپنی تعیشات کے، غرباء و مساکین پر خرچ کرتے

تھے۔

معصومین (ع) نے کبھی بھی شیعوں کو مطلقاً خمس معاف نہیں کیا سوائے چند انفرادی واقعات کے اور چند خاص حالات کے۔ امام محمد تقی (ع) کے ایک خط میں شیعوں پر اس مالی ذمہ داری کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے:

"اور غنیمت اور منافع سے یہ واجب ہے کہ ہر سال خمس ادا کیا جائے (ان تمام اشیاء پر جن پر خمس لاگو ہوتا ہے)۔ پھر یہ خمس میرے وکیل کے پاس لایا جائے، اور وہ لوگ جو کہ بہت دور دراز رہتے ہیں ان کے لیے بھی ہے کہ وہ یہ خمس ہمارے وکیل تک پہنچائیں، اگرچہ کہ اس میں انہیں کچھ زیادہ وقت ہی کیوں نہ لگ لے۔۔۔"

اور باقر صاحب کے دعوے کے برخلاف، یہ دیکھنے کے لیے کہ خمس شیعوں پر ہر زمانے میں واجب رہا ہے، ذیل کی حدیث دیکھیئے:

وسائل الشیعہ، ج 6، ص 375:

ایک شیعہ نے ایران سے امام علی رضا (ع) کو خط لکھا کہ اسے خمس سے چھوٹ دے دی جائے۔ امام (ع) نے اس کو منظور نہیں کیا اور جواب میں لکھا:

"۔۔۔ اور یہ خمس ہماری مدد ہے کہ ہم دینِ اسلام کو پھیلائیں، اور اپنے خاندان (کی ضروریات پورا کریں) اور اپنے شیعوں کی۔۔۔۔ اپنے آپ کو جہاں تک ہو سکے ہماری دعاؤں سے محروم نہ کرو کیونکہ اس (خمس) کا ادا کرنا رزق اور تمہارے گناہوں کی بخشش کی کنجی ہے۔۔۔۔ والسلام"

محمد ابن جعفر الاسدی نے امامِ زمانہ (ع) کو خط لکھا۔ اس کے جواب میں معصوم (ع) نے لکھا:

وسائل الشیعہ، ج 6، ص 377:

"اور وہ جو تم نے مسئلہ پوچھا ہے کہ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کہ ہماری زمین بغیر ہماری اجازت کے استعمال کر رہا ہے، تو اسے جاننا چاہیئے کہ جو کوئی بھی ایسا کرتا ہے وہ ملعون ہے اور (روزِ قیامت) ہم اس کے مخالفین میں سے ہوں گے۔۔۔ اور جو کوئی ہماری زمین ناجائز کھا رہا ہے، وہ حقیقتاً آگ کھا رہا ہے اور یقینا وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔"

ایک اور حدیث جو محمد ابن ابراہیم سے مروی ہے، یہ ثابت کر رہی ہے کہ ائمہ (ع) تقیہ کی حالت میں بھی خمس وصول کرتے تھے۔

راوی (محمد بن ابراہیم) کہتا ہے کہ امام ابو محمد الحسن بن علی (العسکری ع) کی وفات پر مجھے شبہ ہوا (کہ آیا ان کا کوئی وارث ہوگا کہ نہیں)۔ امام (ع) کے لیے لوگوں کا خمس کا بہت سا مال میرے باپ کے پاس جمع تھا۔ اس نے یہ پیسہ لیا اور کشتی کے ذریعے روانہ ہونے لگا۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا کہ اسے الوداع کر سکوں، مگر وہ بری طرح بیمار تھا اور بخار میں تپ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: "اے میرے پسر، مجھے واپس لے چل کہ میری موت کا وقت قریب ہے۔"

پھر وہ مجھے کہتا ہے: "اس مال کی نسبت خدا سے ڈرنا اور یہ کہہ کر اس نے یہ مال میرے حوالے کر دیا کہ میں اسکی حفاظت کروں۔

تین دن کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ میں نے سوچا: "یہ میرے باپ کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ایسا مال میرے حوالے کرے جسکی مجھے حفاظت کرنی ہو۔ میں اس مال کو عراق لیجاؤں گا، جہاں مجھے ایک گھر دریا کے کنارے کرائے پر لینا چاہیئے اور میں کسی کو اس مال کے متعلق نہیں بتاؤں گا۔ اگر بعد میں کوئی بات مجھ پر واضح ہوگئی جیسا کہ امام العسکری (ع) کے زمانہ میں واضح تھی تو میں یہ مال ان کے حوالے کر دوں گا۔ اگر نہیں، تو میں یہ مال اپنی تفریح کے لیے خرچ کروں گا۔

میں عراق گیا، اور وہاں دریا کے کنارے ایک گھر کرائے پر لے لیا اور کئی دن تک وہاں ٹھہرا رہا۔ پھر ایک دن اچانک ایک قاصد ایک خط لیکر پہنچا (جس میں لکھا تھا کہ)؛ محمد، تمہارے پاس وہ اور وہ چیزیں امانت کی موجود ہیں۔۔۔۔۔۔ اور اس خط میں ان تمام چیزوں کی تفصیل موجود تھی جو کہ میرے پاس موجود تھیں۔ حتیٰ کہ اس میں وہ چیزیں بھی لکھی ہوئی تھیں جن کا مجھے علم بھی نہ تھا۔ میں نے وہ تمام مال اس قاصد کے حوالے کر دیا۔ پھر میں نے وہاں چند مزید دن قیام کیا اور میں اتنا افسردہ تھا کہ اپنا سر نہیں بلند کرتا تھا۔ کلاسے بعد ایک دوسرا پیغام میرے پاس آیا جس میں لکھا تھا: "ہم نے تمہیں تمہارے باپ کے منصب پر فائز کیا۔ چنانچہ تم اللہ کی حمد بجا لاؤ"۔

امام جعفر صادق (ع) کی جانب سے وکالت کے نظام کا اجراء

امام جعفر صادق (ع) نے وکالت کا نظام کا بھی اجراء کیا جس کے فرائض میں دوسری چیزوں کے علاوہ یہ بھی تھا کہ خمس کے پیسے کو شیعوں سے جمع کر کے امام کے پاس لایا جائے یا پھر امام (ع) کے حکم اور ہدایات کے مطابق اس خمس کے پیسے کو خرچ کیا جائے۔ یہ وکالت کا نظام امام جعفر صادق (ع) کے بعد باقی ائمہ کے دور میں بھی جاری رہا۔ باقر صاحب کے قیاس کے برعکس، تاریخ کے مطالعے سے صاف پتا چلتا ہے کہ ائمہ (ع) کے پاس وکالت کا ایک وسیع نظام موجود تھا، اور ائمہ (ع) نے یقیناً خمس کا مال وصول کیا۔

اس بات کا سب سے بڑا ثبوت دوسرے شیعہ فرقوں کا وجود ہے۔ "واقفیہ" ایک شیعہ فرقہ تھا جس کا دعویٰ تھا کہ امام موسیٰ کاظم (ع) کی شہادت کے ساتھ ہی امامت ختم ہوگئی ہے۔ مگر اصل میں ہوا یہ تھا کہ امام (ع) کے چند وکلاء نے امام موسیٰ (ع) کو دھوکہ دیا اور امام کا مال اور امانتیں وہ امام الرضا (ع) کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے امام الرضا (ع) کی امامت کا ہی انکار کر دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ امام موسیٰ کاظم (ع) کے ساتھ ہی امامت ختم ہوگئی ہے، تاکہ وہ اس مال پر قبضہ جما سکیں۔ یہ تمام تاریخی واقعات بہت سی کتب میں پائے جا سکتے ہیں مثلاً "معجم الرجال الاحادیث" جو کہ امام خوئی (ر) کا حدیث کے رجال پر لکھا گیا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ (یہ احادیث آپ کو علی ابن ابی حمزہ کے ذیل میں ملیں گی، جس نے وقافیہ فرقے کا آغاز کیا تھا اور جس پر امام الرضا (ع) نے لعنت فرمائی تھی۔ یہ لوگ اس وقت سے خمس کا مال کھانے کے چکر میں تھے جب سے امام موسیٰ کاظم (ع) جیل میں تھے۔

حیرت کی بات ہے کہ اپنے اتنے سارے قیاسات کے بعد بھی (کہ کسی ایک امام نے ایک پیسہ بھی خمس کا وصول نہیں کیا) باقر صاحب خود اس واقفیہ فرقے کا ذکر ان الفاظ میں کر رہے ہیں:

> "خمس کا یہ زور و شور امام علی نقی (ع) کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔۔۔۔ امام موسیٰ کاظم (ع) کے بعد ایک مستقل فرقہ "واقفیہ" کے نام سے وجود میں آچکا تھا، جس کا کہنا تھا کہ امام (ع) کا انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ پردہ غیبت میں چھپ گئے ہیں اور پھر ظاہر ہوں گے۔ اس لئے آپ کے بعض وکلاء آپ (ع) کا تمام مال اور امانتیں ہڑپ کر کے بیٹھ گئے کیونکہ غیبتِ امام (ع) میں وہ خود کو ہی مرجع سمجھتے تھے اور انہوں نے یہ مال اور امانتیں امام رضا (ع) کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا تھا اور امام (ع) نے ان پر لعنت فرمائی تھی۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر آج امام (ع) ظہور فرمائیں اور اپنے زمانہ غیبت میں اکھٹی کی گئی خمس کا مطالبہ کریں تو کوئی ہے جو یہ رقم لوٹا سکے؟ یہ رقم کیونکر لوٹائی جا سکتی ہے جبکہ یہ پہلے ہی ہضم کی جا چکی ہے؟" (صفحہ 312)

محترم مومنین، کیا آپ باقر صاحب کے دلائل میں کوئی وزن محسوس کرتے ہیں کہ ہم اس پر مزید کوئی تبصرہ کریں؟ اور یہ تو باقر صاحب کے دعوؤں میں صاف تضاد ہے کہ ایک طرف یہ دعویٰ کریں کہ کسی امام نے ایک پیسہ بھی خمس کا اکھٹا نہیں کیا، اور دوسری طرف خود "واقفیہ" فرقے کے متعلق اقرار کریں کہ انہوں نے موسیٰ کاظم (ع) کے بعد مال اور امانتوں کو امام رضا (ع) کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

وکالت کے اس نظام کے متعلق مزید آپ کتاب "القواعد الحدیث" میں بھی پڑھ سکتے ہیں جو کہ آن لائن بھی موجود ہے۔

http://www.al-shia.com/html/ara/books/qawaed_hadis/a31.html

وکالت کی یہ نظام، جس سے خمس اکھٹا کیا جاتا تھا، تاریخ میں اچھی طرح جانا جاتا ہے اور اس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ جب کبھی بھی کسی نے کسی امام کا انکار کیا، تقریباً ایسے تمام واقعات میں یہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک امام کی شہادت پر لوگ خمس کا مال اگلے امام کو ادا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ایسی احادیث سے کیسے نتیجہ اخذ کیا جائے، جو کہ ظاہر میں ایک دوسرے کے خلاف جا رہی ہوں؟

ہمارے پاس کچھ احادیث میں جو یہ کہہ رہی ہیں کہ شیعہ عوام کے پاس یہ حق ہے کہ وہ خمس کا مال اس صورت میں استعمال کر سکتے ہیں کہ اگر ان کو اس کی شدید ضرورت ہو (یعنی پھر انہیں خمس ادا کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ اسے اپنے لیے خرچ کر سکتے ہیں)۔ مختصراً وسائل الشیعہ میں اس سلسلے میں ایک باب موجود ہے (ج 9، باب 4)، جس کا عنوان ہے:

"وہ باب جو یہ بتا رہا ہے کہ شیعوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ امام کی مالِ خمس کا ایک حصہ استعمال کر سکتے ہیں جب ان کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ خمس ان تک پہنچا سکیں، اور جب سادات اس خمس کے مال کی ضرورت میں نہ ہوں، اور شیعوں کو اس بات کی اجازت کہ وہ انفال وغیرہ، جو کہ ائمہ (ع) کا حق ہیں، ان میں سے کچھ حصہ استعمال کر سکتے ہیں اگر وہ ان کی ضرورت میں ہوں اور ان کے لیے یہ امام تک پہنچانا ممکن نہ ہو۔"

آیئے اب اس باب میں سے چند احادیث دیکھتے ہیں:

1) امام باقر (ع) نے ایک شخص کو خط میں جواب دیا، جس نے یہ دریافت کیا تھا: "مجھے خمس میں سے میرے کھانے اور پینے کا حق عطا فرمایئے۔" اس کے جواب میں امام نے لکھا: "جو کوئی بھی ہمارے حق میں سے کسی چیز کا ضرورتمند ہے، تو وہ اس پر حلال کر دیا گیا ہے۔"

2) امام باقر(ع) نے فرمایا: "کیا تمہیں پتا ہے کہ لوگ زنا کیوں کرتے ہیں؟" دریافت کرنے والے نے جواب دیا کہ وہ نہیں جانتا۔ اس پر امام (ع) نے کہا: "ہمارے خمس کی وجہ سے (مطلب یہ کہ لوگ اس رقم سے شادی رچاتے ہیں جس سے خمس ادا نہیں کیا گیا ہوتا، اس لیے ان کے شادیاں باطل ہیں)۔ سوائے ہمارے اچھے شیعوں کے، کیونکہ انہیں اور انکی آل کو اس چیز میں حق حاصل ہے (مطلب انکی شادیاں صحیح ہیں اگرچہ کہ انہوں نے ضرورت کے تحت یہ خمس کے پیسے سے ہی کیوں نہ کر لیں ہوں۔)

3) امامِ زمانہ (ع) اپنی ایک توقیع میں فرماتے ہیں: "جہاں تک خمس کا معاملہ ہے، تو وہ ہم نے اپنے شیعوں کو اس کی اجازت دے دی ہے اور ان پر یہ مباح کر دیا ہے جبتک کہ ظہورِ امر نہ ہو جائے تاکہ ان کی نسلوں کی ولادت پاک و پاکیزہ رکھے اور گندی نہ ہو جائے۔

معصوم (ع) کا یہ قول کہ: "۔۔۔تاکہ ان کی آنی والی نسلیں پاک رہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو خمس ادا کرنے کی ضرورت نہیں اگر یہ ضرورت مند ہیں کہ خمس کا حصہ اپنی شادی پر خرچ کریں۔ یہ تمام احادیث اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ اگر کوئی شیعہ اس رقم کی ضرورت میں ہے تو اسے خمس کا پیسہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری طرف ہمارے پاس احادیث ہیں جو کہ بالکل "عام" ہیں۔ مثلاً:

1) امام الباقر: "بیشک ہم نے اپنے شیعوں کے لیے خمس حلال کر دیا ہے۔"

2) امام الصادق: "تمام لوگ ہمارے مال کو دبا کر مالدار ہو رہے ہیں، سوائے ہمارے شیعوں کے کہ جن پر ہم نے یہ (خمس) حلال کر دیا ہے۔"

اور احادیث کا تیسرا گروپ وہ ہے جو ہم اوپر پیش کر چکے ہیں، جو کہ کہہ رہا ہے کہ خمس شیعوں کو ادا کرنا ہر صورت میں واجب ہے۔

اب یہاں پر ہمارے پاس احادیث میں ظاہری تضاد ہے۔ احادیث کا پہلا گروپ کہہ رہا ہے کہ "صرف ضرورتمند" شیعوں کے لیے خمس حلال کیا گیا ہے اگر انہیں اس رقم کی واقعی ضرورت ہے۔ دوسرا گروپ کہہ رہا ہے کہ شیعوں پر خمس بغیر کسی شرط کے حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ دوسرا گروپ "مطلق" کہلاتا ہے جبکہ احادیث کے پہلے گروپ کو مقید کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں ہمیں وہ کرنا ہو گا جس کا ائمہ (ع) نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آیا واقعی احادیث ایک دوسرے کی مکمل ضد ہیں یا پھر ان کی ایک دوسرے کے لحاظ سے کوئی قابلِ قبول تشریح کی جا سکتی ہے۔

اب سلسلہ یہ ہے کہ یہ احادیث مکمل طور پر ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں ۔ دوسرا گروپ مطلق احادیث کا ہے جبکہ پہلا گروپ مقید احادیث کا ہے اور یہ احادیث "عام" اور "مطلق" احادیث پر گہرائی سے روشنی ڈالتی ہیں اور ان کی حدبندی کرتی ہیں ۔ مثال کے طور پر اللہ قران میں کہتا ہے کہ "سود" حرام ہے ۔ مگر پھر بھی ہمارے پاس امام الصادق (ع) کی حدیث ہے : "باپ اور بیٹے کے درمیان سود حرام نہیں ہے ۔" یعنی باپ کو اجازت ہے کہ وہ بیٹے سے سود وصول کرے ۔ اس حدیث میں معصوم (ع) ایک خاص ملاٹ میں رعایت دے رہے ہیں اور آیت کے عام مطلب کو ایک خاص ملاٹ میں محدود کر رہے ہیں ۔ ایک اور مثال قران میں یہ ہے جب قران کہتا ہے : " مرد چور یا عورت چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں " مگر کیا ایک 5 سال کا نابالغ بچہ چوری کرے تو کیا اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیے جائیں ۔ یقیناً نہیں کیونکہ رسول اللہ (ص) اور ائمہ (ع) نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ کسی نابالغ پر اسلامی سزائیں نافذ نہیں ہوتی ہیں ۔ اگرچہ کہ یہ آیت مطلق ہے، جبکہ یہ حدیث اس پر مزید گہرائی میں تبصرہ کر رہی ہے اور اس کو اس کی حدود میں مقید کر رہی ہے ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حدیث اِس آیت کی ضد ہے ۔

اسی طرح، وہ احادیث جو یہ کہہ رہی ہیں کہ صرف اس صورت میں خمس استعمال کرنے کی اجازت ہے جب انسان اسکی ضرورت میں ہو، یہ ان عام اور مطلق احادیث کے معنوں کو ایک خاص ملاٹ تک محدود کر دیتا ہے جو کہتی ہیں کہ یہ حلال ہے ۔ ہم صرف ایک عام مطلق حدیث کو لیکر باقی تمام احادیث کو نظر انداز نہیں کر سکتے ۔ اور نہ ہی اس عام آیت کا اطلاق ہر ملاٹ پر یہ جانے بغیر کر سکتے ہیں کہ آیا اس خاص ملاٹ کے بارے میں کوئی "خاص" یا "مقید" حدیث موجود ہے کہ نہیں جو کہ اس کو اُس عام آیت کے اطلاق سے مستثنیٰ کر رہی ہے کہ نہیں ۔

اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ہمارے پاس احادیث و روایات کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ یہ شک سے بالاتر ہے کہ معصومین (ع) کا اپنا وکلاء کا ایک وسیع نظام تھا جو کہ عام شیعوں سے خمس اکھٹا کر کے امام کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا ۔ اور وہ وکلاء کہ جنھوں نے ائمہ (ع) کو دھوکہ دیے، انہوں نے امامت کے حوالے سے بہت فتنے پیدا کیے اور یہ واقعہ تقریباً بعد میں آنے والے ہر امام کے ساتھ پیش آیا ۔

اور وہ احادیث جو یہ کہہ رہی ہیں کہ خمس شیعوں کے لیے حلال ہے ان کو ان احادیث کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے جو کہ خمس کو واجب بتا رہی ہیں (اور خصوصاً آیتِ خمس کے حوالے سے) ۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ غیر شیعوں کا مال اور کمائی اور ہر چیز اس وقت تک حرام ہے جبتکہ وہ امام کا مالِ خمس ادا نہ کر دیں ۔ مگر ان شیعوں کے لیے جو کہ ضرورتمند ہیں وہ اس خمس کے مال میں سے اتنے حصے کو استعمال کر سکتے ہیں کہ جس سے انکی ضرورت پوری ہو جائے ۔

مگر اس ضرورت کے علاوہ جو پیسہ مزید بچ جائے تو وہ انکو امام تک پہنچانا ہو گا ۔

اور وہ احادیث جو کہہ رہی ہیں: "۔۔۔۔تاکہ ان کے بچوں کی ولادت پاک رہے۔۔" یہ اس طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ شادی میں عموماً حق مہر ادا کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ یہ مہر نہیں ادا کر سکتے کیونکہ تمام فاضل رقم آپ نے خمس میں ادا کر دی ہے تو آپ شادی نہیں کر سکتے اور نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر گناہ پر آمادہ ہو سکتے ہیں اور زنا کاری میں پڑ سکتے ہیں۔ اس لیے ائمہ (ع) فرما رہے ہیں کہ ہمارے لیے خمس اس حالت میں حلال کر دیا گیا ہے کیونکہ ہمیں ایک زیادہ اہم ملاک کے لیے اس خمس کے مال کی ضرورت ہے (یعنی کہ شادی)۔ مگر یہ احادیث خمس کو مطلقاً حلال نہیں کر رہی ہیں۔

باقر صاحب کے کچھ حامیوں کا ان سے خمس کے معاملے میں اختلاف کرنا

اب ہم چاہتے ہیں کہ خمس کے ملاک ہم چند ایک ان مکالمات کا تذکرہ کریں جو کہ باقر صاحب کے حامیوں کے ساتھ ہوئے ہیں۔ یہ حضرات باقر صاحب کے دیے ہوئے مواد کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور ابتدا میں بہت مشتعل نظر آتے تھے اور مراجع کرام پر سخت تنقید کر رہے تھے کہ وہ معصوم عوام کا مال خمس کے نام پر لوٹ رہے ہیں۔ ان حضرات کا اصولی علماء پر اہم اعتراض یہ ہے کہ ثابت کیا جائے کہ ائمہ (ع) نے حکم دیا ہو کہ ان کی غیبت میں خمس مراجع تک پہنچایا جائے۔

ان کا یہ اشتعال اس وقت تک کم نہیں ہوا جبتک کہ ہم نے ان کو معصومین (ع) کی وہ دوسری احادیث نہ دکھا دیں جنکو باقر صاحب ان سے صاف چھپا گئے تھے۔ اور یہ احادیث دکھانے کے بعد ہم نے ان سے سوال کیا کہ وہ کیوں یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان باقی احادیث کو ردی کے ڈبے کی نظر کر دیں اور ان کے نظریے کو مان لیں؟ اس پر وہ لوگ گھبرا گئے۔

کہنے لگے کہ نہیں نہیں ہر شخص کو احادیث کی روشنی میں خود فقہی حکم معلوم کرنے کا حکم ہے اور باقر صاحب کو اس مسئلہ پر غلطی ہوئی ہے اور خمس مطلقاً معاف نہیں ہوا ہے۔ لیکن یہ احادیث کہیں بھی ہمیں یہ نہیں بتا رہی ہیں کہ امام (ع) کی غیبت میں ہم خمس کا مال مرجع کے حوالے کریں۔ یہ بدعتی حکم مرجع نے اس لیے جاری کیا ہے کہ لوگوں کا مال لوٹ سکیں۔ اس لیے لوگوں کو چاہیئے کہ خمس کا مال وہ خود مستحق لوگوں میں بانٹ دیں۔

تو ان لوگوں کی خدمت میں ہم نے یہ عرض کیا آپ لوگ کیسے باقر صاحب سے اختلاف کر سکتے ہیں کیونکہ آپ کے دعویٰ کے مطابق تو شریعت ایک ہے۔ اور آپ مراجع کرام کے فتوؤں کو اس لیے باطل اور شیطان کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ ان میں اختلاف موجود ہے۔ (باقر صاحب بھی یہ دیکھ لیں کہ جن کم علم اور حتیٰ کہ جاہل لوگوں کو وہ مراجع کے فتوؤں کو چھوڑ کر فقہی حکم خود معلوم کرنے کے لیے اکسا رہے ہیں، وہ خود ان سے اختلاف کر رہے ہیں)۔

پھر ہم ان سے مزید عرض کرتے ہیں کہ مراجع کرام نے تو یہ فتویٰ معصومین (ع) کی اس حدیث کی بنیاد پر دیا ہے کہ جس میں معصوم (ع) نے فرمایا تھا کہ "ہمارا کام تمہیں دینِ الہی اور احکام کے اصول القاء کرنا ہے، اور تمہارا کام ان کی شاخیں (تفریع) نکالنا ہے" (ہم یہ حدیث پچھلے ابواب میں تفصیل سے نقل کر چکے ہیں)۔ چنانچہ مراجع کرام نے "عقل" کا استعمال کرتے ہوئے خمس کے متعلق حکم دیا ہے کہ اسے غیبتِ امام (ع) کے زمانے میں انہی "اصول" کے مطابق جمع اور استعمال کیا جائے گا جیسا کہ ائمہ (ع) کی زندگیوں میں ہوتا تھا۔

(اور اسی نظام کی برکت سے آج شیعہ علماء ایران اور عراق میں اتنے منظم ہیں کہ انقلاب لے آئے ہیں)

اس پر وہ کہنے لگے کہ دین میں "عقل" کا استعمال حرام ہے۔

ہم نے عرض کی کہ ائمہ (ع) نے عقل کا استعمال مطلقاً حرام قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ ان کے دیے ہوئے اصولوں کے مطابق عقل استعمال کر کے احکامِ الہی کی شاخیں نکالی جا سکتی ہیں۔ لیکن اگر آپ خمس کے معاملے میں مراجع کے اس عقل کے استعمال کو نہیں مانتے تو آپ خود ہی بتائیے کہ غیبتِ امام میں خمس کے مال کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے؟ کہنے لگے کہ ہمیں یہ مراجع کے پاس بھیجنے کی بجائے خود اپنی صوابدید پر لوگوں میں تقسیم کر دینا چاہیے۔ اس پر ہم نے پوچھا کہ آیا آپ یہ حکم امام کی کسی حدیث سے نکالا ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ تو ہم نے کہا کہ تو پھر تو آپ خود اس معاملے میں عقل کا استعمال کر رہے ہیں۔

محترم مومنین، غیبتِ امام میں خمس کا یہ سوال ملنگ حضرات کے گلے میں ہڈی بن کر اٹک گیا ہے کہ جسے یہ نگل سکتے ہیں نہ اگل۔ باقر صاحب ان عام اخباری ملنگوں سے زیادہ تجربہ کار ہیں اور انہیں پتا تھا کہ اگر یہ سوال اٹھا کہ غیبتِ امام میں خمس کیسے استعمال ہو، تو وہ ان کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے (کیونکہ اس سلسلے میں معصوم (ع) کی کوئی حدیث ہے نہیں اور نئے مسائل میں عقل کا استعمال ان کے ہاں حرام ہے)۔ اس لیے ان کے لیے لازم ہو گیا کہ وہ خمس کا مطلقاً انکار کر دیں چاہے اس کے لیے انہیں دسیوں دیگر احادیثِ معصومین (ع) کو موضوع (گھڑا ہوا) قرار دے کر ان کا انکار ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

محترم مومنین، حقائق آپ کے سامنے ہیں اور آپ کو خود فیصلہ کرنا ہے کہ کیا کسی کو یہ حق ہے کہ وہ معصومین (ع) کی احادیث کے ایک حصہ کو ماننے سے انکار کر دے کیونکہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف جا رہا ہو، اور صرف وہ حصہ لے جس کو توڑ مروڑ کر وہ اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال سکے؟

"ائمہ کی ڈائیریکٹ تقلید" کرنے والے اخباری حضرات کا باقر صاحب سے خمس پر اختلاف

اخباری حضرات نے ائمہ کی ڈائیریکٹ تقلید کرنے کا نعرہ سترہویں صدی میں بلند کیا تھا۔ مگر اس وقت سے لیکر اب تک وہ اس نتیجے پر نہیں

پہنچے کہ مولا علی (ع) نے اپنے زمانے میں ہی شیعوں پر خمس حلال کر دیا تھا اور اس کے بعد آنے والے ائمہ (ع) نے بھی خمس کا ایک درہم بھی قبول نہیں کیا۔

بلکہ یہ اخباری حضرات باقر صاحب سے مکمل اختلاف کر رہے ہیں اور خمس کے قائل ہیں ۔

(دیکھیۓ اخباری ویب سائٹ www.akhbari.org/urdu_qibla.htm)

آخر میں ہم اس خمس کے باب کا اختتام پروفیسر سبطِ جعفر کے اس شعر پر کرتے ہیں:

خمس دینا محبت کی ایک شرط ہے

اور نہ دینا بھی مثلِ فدک ہے گناہ

حقِ سادات وزہرا (ع) کے مقروض سے

جب تبرا سنا تو ہنسی آگئی

اللھم صلی علی محمد وآل محمد۔

باب 8 ۔ متفرق سوالات

مراجع کرام کے خطابات پر مزید بحث

تبصرہ از مترجم: ان ملنگ حضرات کی طرف سے سب سے زیادہ اعتراض جو ہو رہا ہے وہ "آیت اللہ" کے خطاب / لقب پر ہو رہے ہیں ۔ چنانچہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس سلسلے پر تھوڑی مزید بحث کر لی جائے ۔

پچھلے باب میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ اصولی علماء میں "علم" کے کچھ درجے ہیں ۔

1) حجت الاسلام (پہلا درجہ)

2) مجتہد / آیت اللہ (دوسرا درجہ)

3) اعلم / آیت اللہ العظمیٰ

یہ علم کے ٹائیٹل ایسے ہی ہیں جیسا کہ مغربی دنیا علم کی مدارج کے لیے Bechelor, Master and Doctrate کے ٹائیٹل استعمال کرتی ہے ۔

ڈاکٹر کے عام معنی طبیب / حکیم کے ہیں ۔ لیکن جب یہ ٹائیٹل کے طور پر استعمال ہوتا ہے، تو مجازی طور پر ہر اس شخص کو جس نے فزکس، کیمسٹری، تاریخ وغیرہ میں پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہو ۔

ایسی اصطلاحات کا قران میں کئی جگہ مجازی استعمال کیا گیا ہے ۔ مثلاً پچھلے ابواب میں ہم نے "عام" القابات اور "خاص" القابات کی کچھ مثالیں دی تھیں کہ "عالم" اللہ کی صفت ہے ۔ مگر اللہ نے اسے حضرت اسمعیل (ع) کے لیے بھی استعمال کیا ہے ۔ اور ائمہ معصومین (ع) نے اپنی آپ کو بھی عالم کہا ہے اور اپنے باعلم شیعوں کے لیے بھی عالم کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ اسی طرح کریم، قوی، حلیم، شکور، بر یہ سب القابات / صفات قران میں اللہ نے اپنے لیے استعمال کیے ہیں مگر اسی قران میں دوسری جگہ یہ سب اللہ نے یہ اصطلاحات اپنے انبیاء کے لیے بھی استعمال کیں ہیں ۔ فرق ان میں یہ ہے کہ ان کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں وہابی نہیں بن جانا چاہیئے بلکہ ان کے مجازی اور حقیقی معنوں کا فرق ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے ۔

مگر باقر صاحب اوران کے حامی حلقے یہ فرق سمجھنے کی بجائے مسلسل اس وہابی روش کو اپنائے ہوئے ہیں اور دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم علماء کی پرستش میں مبتلا ہیں اور یہ لقب مولا علی (ع) کے لیے مخصوص ہے۔۔ ثبوت کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ جنابِ امیر (ع) نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک مجھ سے بڑی کوئی آیت نہیں (آیت الکبریٰ) اور نہ مجھ سے بڑی کوئی خبر ہے۔" کافی، کتاب الحجت، باب 17، حدیث 3

محترم مومنین، آیات کا استعمال عام ہے اور یہ صرف مولا علی (ع) کے لیے مخصوص نہیں ہے جیسا کہ "امیرالمومنین" اور "امام المتقین" نص سے صرف مولا علی (ع) کے لیے مخصوص ہیں۔ مثلاً احادیث میں دوسرے ائمہ معصومین (ع) کو بھی آیات کہا گیا ہے۔ اسی طرح مجازی معنوں میں ہم قران کے جملوں کو بھی آیت کہتے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جیسے "معبود" کو اللہ نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے جبکہ رب، عالم، قوی، کریم، حلیم، شکور۔۔۔۔ اگرچہ کے یہ حقیقی معنوں میں صرف اللہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں، مگر مجازی معنوں میں اللہ نے اسے انبیاء اور فرشتوں کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ آیئے اس مجازی استعمال کی ایک واضح مثال دیکھتے ہیں جب حضرت یوسف (ع) قران میں عزیز مصر کو مجازی معنوں میں "رب" کہہ کر رہے ہیں

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لاَ يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ

[القرآن 12:23] اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھے، یوسف کو بہلانا پھسلانا شروع کر دیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازہ بند کر کے کہنے لگی لو آجاؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ کہ وہ (تمہارا شوہر) میرا

رب ہے۔ مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے اور بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔

اب یوسف (ع) عزیز معر کو "رب" کہہ کر مشرک نہیں ہوگئے، بلکہ یہ مجازی معنوں میں کہا گیا تھا کیونکہ رب کی لغوی معنی پالنے کے ہیں اور عزیز مصر نے حضرت یوسف (ع) کو پال پوس کر بڑا کیا تھا۔

(اسی طرح دیکھیے سورہ یوسف کی آیت 41، 42 اور 50 جس میں یوسف (ع) مصر کے بادشاہ کو "رب" کہہ رہے ہیں)

اسی طرح رسول (ص) کی حدیث جس میں آپ (ص) نے امام علی (ع) کو "مولا" فرمایا (غدیر خم کے مقام پر)۔ مگر یہ مولا کا لقب صرف امام علی (ع) کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ دیگر ائمہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا۔ ہم غازی عباس (ع) کے لیے بھی یہ استعمال کرتے ہیں جب ہم غازی کو "مولا عباس علمدار" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

ولی اللہ

محترم مومنین، آپ کی خدمت میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کرنا چاہتے ہیں ۔ ہمارے ایک جاننے والے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ امامِ زمانہ (ع) کی ڈائریکٹ تقلید میں ہیں ۔ مزید براں یہ صاحب باقر صاحب کے بھی بہت پرستار ہیں اور محفلوں میں اکثر باقر صاحب کی کتاب کے حوالے دے دے کر مراجع کرام کے القابات پر تنقید کرتے تھے اور ان کو جو کچھ مرضی کہہ لو، مان کر ہی نہ دیتے تھے ۔

ایک دن ہم نے تنگ آکر گفتگو کا رخ موڑ دیا اور بات مولا علی (ع) کے قلندروں پر ہونے لگی ۔ اس پر ان صاحب نے قلندروں کی کرامات کے قصے سنانا شروع کر دیے ۔ ہم نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا کہ کیا بہلول اور لال شہباز قلندر "ولی اللہ" تھے جو وہ یہ کرامات دکھاتے تھے ۔ کہنے لگے ہاں ہاں، بالکل یہ ولی اللہ تھے جبھی تو ایسی کرامات دکھا پاتے تھے ورنہ یہ لوگ جو آیت اللہ بن بیٹھے ہیں یہ بھلا ایسی کرامات کہاں دکھا سکتے ہیں ۔ اس کے بعد اولیاء اللہ پر انہوں نے کافی دیر گفتگو کی ۔

اور جب وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہو گئے تو ہم نے ایک چھوٹا سا سوال کیا کہ یہ بتائیں کہ ایک طرف "علیا ولی اللہ" اور دوسری طرف "قلندر ولی اللہ"؟؟؟؟؟؟

سوال تو ہمارا چھوٹا ہی سا تھا، مگر اس پر ان کا سٹپٹانا بہت بڑا تھا ۔ پھر ہم نے حاضرینِ مجلس سے اجازت چاہی کہ ہمیں یہ باقر صاحب کی "کشف الحقائق" سے یہ وضاحت کرنے دیں کہ "ولی اللہ" ہوتا کون ہے اور اس کا رتبہ کیا ہے ۔ باقر صاحب صفحہ 195 پر لکھتے ہیں:

> "(یہ مقلدین حضرات) لوگوں کو بہلانے کے لیے یہ عذر تراشتے ہیں ہم یہ الفاظ (آیت اللہ) ان معنی میں استعمال نہیں کرتے جن معنوں میں یہ قران میں استعمال ہوا ہے بلکہ ہم انہیں بطور ڈگری یا سند استعمال کرتے ہیں ۔ یعنی جو ان کے نصابِ تعلیم کی ایک مخصوص سطح تک پہنچ جائے وہ آیت اللہ بن جاتا ہے ۔ ان کا یہ بیان تو ان کے دعوے سے بھی مضحکہ خیز ہے ۔ اول تو میں پہلے ہی یہ عرض کر چکا ہوں کہ جس لفظ کو قران بطور اصطلاح استعمال کرے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے کسی دوسرے معنی میں استعمال کرے ۔ دوسرا یہ کہ اگر ان حضرات کہ یہ منطق تسلیم کر لی جائے تو پورا مذہب کھیل اور تماشا بن جائے گا ۔ اسے یوں سمجھیں کہ کوئی بہت بڑا مولوی ایک مدرسہ کھول لے اور اس کی ڈگریاں یوں مقرر کرے:۔
>
> 1) جو پہلا درجہ مکمل کرے وہ "مسلمان" ۔
>
> 2) دوسرے درجہ کا مکمل کرنے والے کا ٹائیٹل ہے "مومن" ۔

3) تیسرے درجہ کا مکمل کرنے والے کا ٹائیٹل ہے "متقی"۔

4) چوتھے درجہ کا کرنے والے کا ٹائیٹل ہے "نبی"۔

5) پانچویں درجہ کا مکمل کرنے والے کا ٹائیٹل ہے "خاتم النبین"۔

6) چھٹے درجہ کا مکمل کرنے والے کا ٹائیٹل ہے "امام"۔

7) ساتویں درجے کا مکمل کرنے والے کا ٹائیٹل ہے "ولی"۔

8) اور آٹھویں درجے کا مکمل کرنے والے کا ٹائیٹل ہے "اللہ تعالیٰ"۔

اگر ان ملنگ حضرات کی وہابی روش (ظاہر پرستی) کو ترک نہ کیا جائے تو آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ انہوں نے قلندروں کو اٹھا کر نبی، خاتم النبین، اور اماموں سے بھی بلند کر دیا ہے۔

قلندروں کی ملاٹ میں یہ ملنگ حضرات حقیقی اور مجازی معنوں کا فرق بہت اچھی طرح سے سمجھتے ہیں، مگر جب بھی علماء کا مسئلہ آتا ہے تو یہ وہابی حضرات سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ جاتے ہیں۔

"مولانا" کا استعمال غیر معصوم کے لیے

دعائے توسل میں ہے:

يَا رَسُولَ اللّهِ، يَا إِمامَ الرَّحمَةِ، يَا شَفِيعَ الأَمَةِ يَا سَيِّدَنا وَمَوْلاَنَا إنا تَوَجَّهنا وَاستَشْفَعنا وَتَوَسَّلْنا بِكَ إِلَى اللّهِ

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ اخباری حضرات اپنے علماء کو کیسے مولانا کے ٹائیٹل سے یاد کر رہے ہیں۔ ذیل کی تصویر اخباری حضرات کے ویب سائٹ اخباری ڈاٹ کوم سے لی گئی ہے (جس میں اخباری حضرات نے ہر جگہ اپنے علماء کے لیے "مولانا" استعمال کیا ہے)۔

انٹرنیٹ پر باقر صاحب کے حامیوں نے ڈسکشنز کے دوران یہ فتویٰ دیا ہے کہ مولانا کا استعمال حرام ہے (ویب سائٹ شیعہ چاٹ ڈاٹ کوم)۔ لیکن یہ حضرات دیکھ لیں کہ اخباری حضرات (جو آپ کی طرح غیبتِ امام میں بھی ان کی ڈائریکٹ تقلید میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) ان سے اختلاف کر رہے ہیں اور اپنے سکالرز کے لیے مولانا کا خطاب استعمال کر رہے ہیں۔ (دیکھیئے ذیل کا عکس جو کہ اخباری ویب

سائٹ سے لیا گیا ہے۔ www.akhbari.org

اب یہ ملنگ حضرات کی طرف سے صرف Double Standards ہیں جب یہ ان اختلافات کی وجہ سے مراجع کرام کو شیطان کا چیلہ بتاتے ہیں اور اپنے گریبان میں جھانکنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے۔

کیا باقر نثار زیدی صاحب اخباری ہیں؟

تبصرہ از مترجم: ہماری ناقص رائے کے مطابق کچھ لوگ ملنگ حضرات کی علماء دشمنی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان میں اخباری عقائد کو پھیلا رہے ہیں، اگرچہ کہ وہ اخباریت کا کھلے عام نام استعمال نہیں کرتے۔

باقر صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اخباری ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے، مگر مومنین حضرات خود فیصلہ کریں کہ باقر صاحب اخباری عقائد کو نہیں پھیلا رہے تو اور کیا کر رہے ہیں؟ مثال کے طور پر:

1) باقر صاحب کا دعویٰ ہے کہ تقلید، اجتہاد اور فتویٰ دینا حرام ہے۔ (بتائیے کہ ان میں اور اخباری حضرات میں کیا فرق ہے؟)

2) باقر صاحب اور ان کے حامی ملنگ طبقوں کا دعویٰ ہے کہ وہ امامِ زمانہ (ع) کی ڈائریکٹ تقلید میں ہیں (بتائیے کہ ان میں اور اخباری حضرات میں کیا فرق ہے؟)

3) باقر صاحب کا دعویٰ ہے کہ علم الرجال صرف اور صرف دین میں ایک بدعت ہے، جو کہ اصولی علماء نے وضع کی ہے۔ (بتائیے کہ ان

میں اور اخباری حضرات میں کیا فرق ہے؟)

4) اسی طرح اصولِ فقہ اور علم الاصول بھی باقر صاحب کی نظر میں بدعات ہیں (بتائیے کہ ان میں اور اخباری حضرات میں کیا فرق ہے؟)

یہ وہ چیزیں ہیں جو کہ ان میں اور اخباری حضرات میں مشترک پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر باقر صاحب یہ کہیں کہ وہ اخباری نہیں ہیں بلکہ ان میں اور اخباری حضرات میں اختلاف و فرق ہے، تو جناب یہی تو ہم کہہ رہے ہیں کہ اختلافات کی وجہ سے آپ کا دعویٰ کہ آپ "ڈائریکٹ امام کی تقلید" کرتے ہیں، صرف اور صرف ایک سراب و فریب ہے۔

ہاں البتہ ایک چیز میں باقر صاحب اور اخباری حضرات میں زمین اور آسمان فرق ہے۔ اور یہ مسئلہ ہے خمس کا۔ اخباری حضرات خمس کے منکر نہیں ہیں اور انہوں نے باقر صاحب کی طرح یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ مولا علی (ع) نے اپنی زندگی میں ہی خمس شیعوں کے لیے حلال کر دیا تھا اور اس کے بعد کسی ایک امام نے ایک بھی درہم خمس کا نہیں لیا۔

اللہ آپ پر اور محمد وآلِ محمد پر رحمتیں و برکتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

Contact: Brother Syed Haider Raza, Brother A. Hasnain Zaidi ahlulbait@gmx.net

Only one request, if you print it then please don't forget to give our above mentioned e-mail, so that we may able to hear the suggestions from our Readers.

Was Salam.